حیاتِ حسن

یعنی سوانح حیات حضرت مولانا غلام حسن صاحب

مفسر تفسیر "حسن بیان"



مرتبہ

عبداللہ جان۔ حسن خیل۔ نیازی

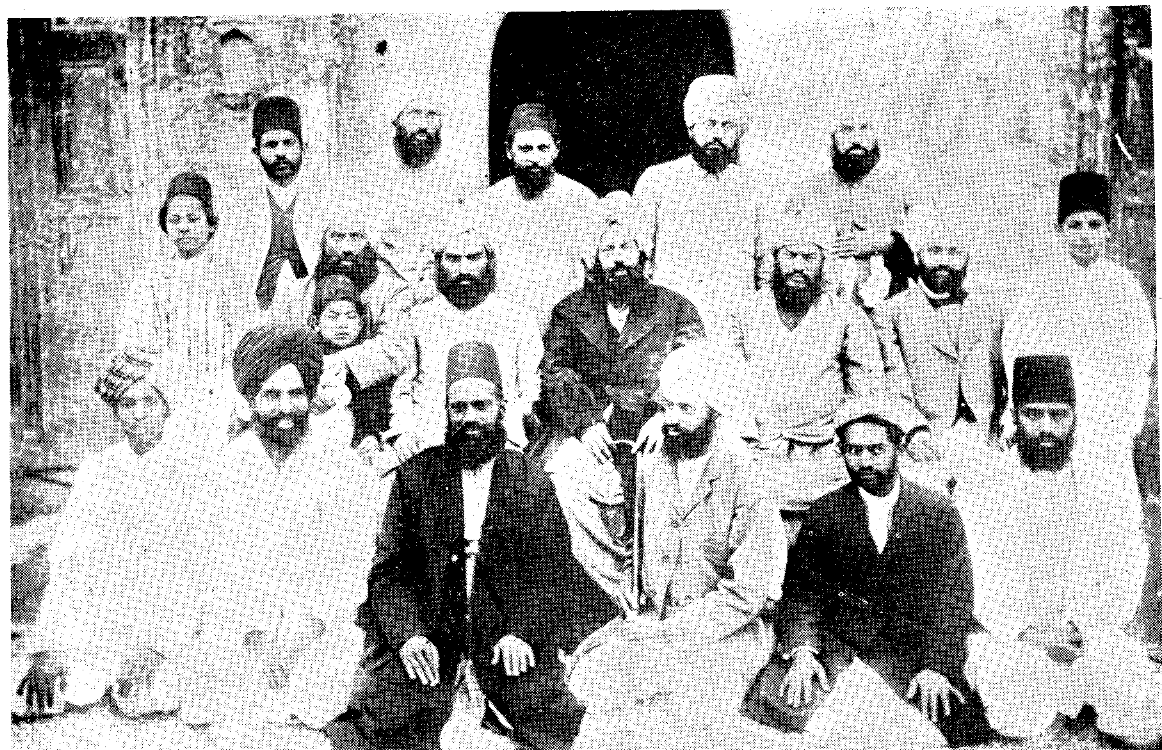


مولوی غلام حسن خان
بعمر ۸۰ سال

لارڈ ہیڈلے الفاروق
جو قبول اسلام کے بعد ۱۹۲۸

مولنا غلام حسن خان
بعمر ۸۰ سال

لارڈ هیڈلے الفاروق
جو قبول اسلام کے
بعد ۱۹۲۸ میں پشاور
تشریف لائے۔



دائیں سے بائیں - کرسیوں پر بیٹھے حضرات :-

شیخ رحمت اللہ صاحب - مولوی عبدالکریم صاحب -

حضرت مسیح موعود - مولوی غلام حسن صاحب -

مولنا حکیم نور الدین صاحب -

پیش لفظ

دینِ اسلام کیا ہے - اس کے اہم اصول کیا ہیں - کیا اسلام حضور سرورِ کائنات محمد مجتبیٰ کے وقت سے شروع ہوا یا سابقہ انبیاء کا دین بھی اسلام تھا۔ اسلام کے معنے ہیں تابعداری کرنا اپنے آپ کو سونپنا - اسلام ساری کائنات کا مذہب ہے - جیسے خدا تعالیٰ فرماتا ہے :- افغیر دین اللہ یبغون ولہ اسلم من فی السموات والارض طوعًا وکرھًا ۳/۱۷ آل عمران - یعنی کائنات میں غور کر کے دیکھ لو ساری دنیا دنیائے آسمان و دنیائے زمین، سارے خدا کے قانون کی تابعداری میں مشغول ہے - ہاں انسان ہی وہ واحد مخلوق ہے جس کو خدا نے فہم اور عقل دیا ہے اور گویائی بخشی ہے خدا چاہتا ہے کہ طوعًا وہ اس کے احکام کی تابعداری کرے ورنہ باقی امور میں جس قانون کے ماتحت باقی دنیا جکڑی ہوئی ہے انسان بھی جکڑا ہوا ہے خواہ اس کو پسند نہ ہو - چنانچہ دوسری جگہ ارشادِ الٰہی ہے :- یا معشر الجن والانس ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السموات والارض فانفذوا لا تنفذون الا بسلطان - اے انسان تم اور جن (وہ مخلوقات جو تمہاری نظر سے پوشیدہ ہیں) ہمارے قانون سے نکل سکتے ہو - اگر کوئی

طاقت ہے تو نکلو۔ سب انبیاء ابتدائے خلق انسان سے توحید کا سبق دیتے آئے ہیں جیسے فرماتا ہے شرع لکم من الدین ما وصّٰی بہٖ نوحًا والذی اوحینا الیک وما وصّینا بہٖ ابراھیم و موسٰی و عیسٰی..... کبر علی المشرکین ما تدعوھم الیہ ۲۵/۳ الشوریٰ۔ پہلے اسلام نیشنل مذہب کی صورت میں ہوتا تھا اور موجودہ دین اسلام انٹرنیشنل لا کی صورت میں اللہ تعالےٰ نے عطا فرمایا اسی لئے رسول اکرمؐ کے مقدس وجود کو رحمۃ للعالمین کا لقب دیا (وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین۔ للمسلمین نہیں فرمایا) رسول اکرمؐ کی تعلیم ساری نسلِ انسانی کے لئے ہے اور رسول اکرم ساری دنیا کے لئے رحمت تھے۔

مرور ایام سے جو غلط عقائد اور بدعات دین میں راہ پاتی رہی ہیں، اُن کو رفع کرنے کا کیا انتظام ہے، کیا یہ مکمل ضابطۂ حیات ہے جو روز مرّہ کی زندگی کے لئے کام دے سکتا ہے؟ اور اس قبیل کے سوالات آئے دن زیر بحث آتے رہتے ہیں۔ موجودہ تذکرہ کے پیش لفظ میں اُن کا ذکر اس لئے ناگزیر ہے کہ سیرت محمدی کی تشکیل اسلامی اصولوں کے بغیر ناممکن ہے لہٰذا مجملاً ان اصولوں کا ذکر کر دیا گیا ہے جو اس امر میں ممد اور معاون ہیں۔

سیرت محمدی کی تشکیل کے لئے سب سے اوّل اسلامی شریعت پر عمل پیرا ہونا نہایت ضروری ہے اس کے بغیر عمارت کی بنیاد ہی نہیں رکھی

جاسکتی ہے۔ اگر کوئی شخص خلاف شریعت کام کرتا ہے تو خواہ وہ کچھ بھی ہو نتیجہ ہے۔ اور منزل مقصود پر کسی صورت نہیں پہنچ سکتا۔ ہمارے اعمال کی بنیاد رضائے الٰہی پر ہونی چاہیئے۔ اور یہی عبودیت ہے عبادت وہی ہے جس میں شرک کا شائبہ تک نہ ہو۔ اگر آپ اس دنیا کے اسباب اور علل میں ایک کام کے لئے تمام ذرائع مہیا کرتے ہیں جو شرعاً جائز ہیں مگر آپ نتیجہ کے لئے اللہ تعالےٰ کی صفات رحیمیت اور ربوبیت پر اعتماد نہیں رکھتے بلکہ اسباب پر بھروسہ کرتے ہیں تو آپ ایک گونہ شرک کا ارتکاب کرتے ہیں یہی ذہنی اور اعتقادی زاویہ نگاہ ہے جو اس معاملہ کی جان ہے۔ کفار کے اعمال کیوں ھباءً منثورا قرار دیئے گئے ہیں محض اس لئے کہ ان کا زاویہ نگاہ بالکل مختلف ہے۔ وہ نتائج کے لئے اللہ تعالےٰ کی طرف رخ نہیں کرتے بلکہ اپنے مادی اسباب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ تو آخرت میں اُن کے اعمال کرماد ن اشتدت به الریح فی یوم عاصف لایقدرون مما کسبوا علی شیئ (سورۃ ابراھیم ۱۳/۱۵)۔ ایسے لوگوں کے لیے جن کے اعمال کی بنیاد رضائے الٰہی کے لئے نہیں اور دنیاوی اغراض تک محدود ہے ان کے متعلق خدا تعالےٰ فرماتا ہے:۔ من کان یرید العاجلة عجلنا له فیها ما نشاء لمن نرید ثم جعلنا له جهنم یصلها مذموما مدحورا۔ ومن اراد الاخرة وسعی لها سعیها وهو مومن فاولئك

وکان سعیہم مشکوراً (۱۵/۲ بنی اسرائیل)

دوئم اس مقصد کے لئے مداہنت اور رافت سے پرہیز اشد ضروری ہے - جہاں معاملہ اصول کا ہو وہاں کسی قسم کے مصالحانہ رویہ کے لئے جھکاؤ اختیار نہیں کیا جا سکتا ہے - کفار چاہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلعم اُصولی طور پر مداہنت اختیار فرمائیں - تو وہ بھی جواباً اسی قسم کا رویہ اختیار کریں (ودّوا لو تدھن فیدھنون - ۲۹/۳ القلم) مگر حضور کو اس سے واضح طور پر منع فرمایا گیا ہے یہ اصول میں جھکاؤ کسی صورت میں جائز نہیں - چنانچہ ارشاد ربانی (۱) ولا ترکنوا الی الذین ظلموا (۲) ولا تاخذکم رافۃ فی دین اللہ - اصول ہی بنیاد ہیں جن پر سیرت کی تشکیل ہوتی ہے اگر ان میں جھکاؤ آگیا تو عمارت کیسے کھڑی رہ سکتی ہے۔

سوئم مکذبین اور کفار سے برأت نہایت ضروری ہے - رسول کریمؐ کو مشرکین سے علیحدگی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے - حضرت ابراہیم نے اپنے باپ اقارب اور قوم کو فرمایا انّنی براء مما تعبدون الّا الذی فطرنی فانہ سیہدین - انا براء منکم ومما تعبدون من دون اللہ کفرنا بکم وبدا بیننا وبینکم العداوۃ والبغضاء ابداً حتّٰی تؤمنوا باللہ وحدہٗ حضور کو اپنے مکذبین سے ارشاد فرمانے کے لیے حکم دیا گیا فقل لی عملی ولکم عملکم انتم بریئون مما اعمل وانا بریٔ مما تعملون - جو کفار اور مکذبین مسلمانوں کے برخلاف

جارحانہ عزائم نہیں رکھتے ان سے انصاف کے ساتھ پیش آنے اور احسان کرنے سے ممانعت نہیں مگر جہاں استہزاء اور تکذیب جارحانہ رنگ رکھتی ہو وہاں برأت لازمی ہے۔ ورنہ نفاق کی صورت پیدا ہوتی ہے جو سیرت کی تشکیل میں سنگ گراں ثابت ہوتی ہے۔

چہارم استقامت ہے۔ اس کے بغیر کسی قسم کا نتیجہ مرتب نہیں ہو سکتا ہے۔ حضور کو فاستقم کما امرت کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ وہ آیت شریفہ ہے جس کے متعلق حضور کا ارشاد گرامی ہے کہ اس آیت شریفہ نے میرے سر کے بال سفید کر دیئے ہیں۔ یہ ایک کٹھن راستہ ہے۔ مگر اس پر چلنے کے سوا منزل مقصود تک رسائی ناممکن ہے۔ اگر آپ ایک سال اسلامی طریقت پر استقامت کرتے ہیں مگر دوسرے سال عمل چھوڑ دیتے ہیں تو کامیابی کا منہ آپ ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔ یہ نفس کے ساتھ ایک ایسا جہاد ہے جو رات دن کے چوبیس گھنٹے اور سال کے بارہ مہینے برابر جاری رکھنا پڑتا ہے اس لئے ارشاد ربانی ہے کہ۔ وان لو استقاموا علی الطریقۃ لاسقیناھم ماءً غدقاً۔ اور موسے اور ان کے بھائی حضرت ہارونؑ کو حکم دیا گیا۔ فاستقیما ولا تتبعان سبیل الذین لا یعلمون۔ استقامت کرنے والوں کے متعلق ارشاد ہے۔ ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملائکۃ۔ یہ لوگ زمرہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون

میں شامل ہوتے ہیں۔ اور اسی زمرہ کو اولیاء اللہ قرار دیتے ہیں۔

پنجم۔ اخلاد الی الارض سے اجتناب نہایت ضروری ہے اللہ تعالیٰ نے بلعم ابن باعور کو ایسے نشانات سے نوازا مگر اسنے اپنی خواہشوں کی پیروی کی اور بلند مقصد سے پستی کی طرف جھک گیا وہ اس بلند مرتبہ کو کھو بیٹھا۔ خلق (CHARACTER) کے سوا انسان حیوان ہو جاتا ہے اور حیوانوں میں کتّے کی مثال اس پر منطبق ہوتی ہے۔ کتّے کی طرح دُم ہلانا اس کا کام ہو جاتا ہے۔ خواہ جھڑکو خواہ کچھ دو۔ خواہ نہ دو۔ در در ٹھوکریں کھانا اس کا کام ہے جیسے مشرک کے لئے ہر چیز دیوی دیوتا ہے۔ لا فانی دروازہ پر پڑے رہنے سے سب کچھ مل جاتا ہے۔ کبیر نے کیا خوب کہا ہے

کتا دردر پھرت ہے۔ دُردُر دُر دُر ہو
کبیرا ایک در کا ہو رہ دُر دُر کرت نہ کو

جب یہ تمام مراحل طے ہو جاویں تو سیرتِ محمدی تشکیل پاتی ہے یہ سیرت وہی ہے جو سیرت ابراہیمی ہے ان اولی الناس بابراھیم الذین اتبعوہ وھذا النبی والذین اٰمنوا۔ اس سیرت کا انسان خدا تعالیٰ کی نگاہ میں اس قدر بھاری ہوتا ہے کہ پوری اُمت کے برابر قرار پاتا ہے۔ انّ ابراھیم کان اُمّۃ۔ اور یجعل لکم فرقاناً کے وعدہ الٰہی کے ماتحت وہ دوسروں سے بالکل ممتاز شخصیت کا حامل بنا دیا جاتا ہے۔ حضور کو حکم دیا گیا۔ تحدا و حینا

الیك ان اتبع ملة ابراھیم حنیفا۔ جو رسول کریمؐ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کرتا ہے وہ نبوت تو نہیں مگر نبوت کے کمالات حاصل کرتا ہے اور خدا تعالےٰ سے شرف قبولیت دعا اور شرف مخاطبہ الٰہی سے مشرف ہوتا ہے۔ اور انبیاء بنی اسرائیل کا مثیل بنتا ہے۔ اور ان ہی کمالات کے حصول کے لئے حکم دیا گیا ہے۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ و الیوم الاخر۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا کے بعد اس اسوۂ حسنہ کی ضرورت کیا رہ جاتی ہے اس کے جواب میں عرض ہے کہ یہ امر روزمرہ کے مشاہدہ سے ثابت ہے کہ انسان قیل و قال سے اس قدر متاثر نہیں ہوتا جس قدر نمونہ سے اثر پذیر ہوتا ہے۔ اگر آپ اپنے بچوں کو روزانہ تلقین کریں کہ نماز پڑھو لیکن آپ خود تارک الصلوٰۃ ہوں تو آپ کی تجویزوں سے کوئی خاطر خواہ اثر نہیں ہوگا۔ یہی حال سکول اور کالج کا ہے اگر اساتذہ جاذب شخصیت کے مالک ہوں تو اُن کا اثر تلامذہ پر خود بخود پڑتا رہتا ہے اور وہ اُن کے رنگ میں رنگین ہو جاتے ہیں۔ ندوۃ العلماء میں شبلی نعمانی جیسے استاد موجود تھے ان کا اثر ندوۃ سے فارغ التحصیل طالب علموں پر پڑا اور یہ امتیازی نشان ابھی تک موجود ہے۔ علی گڑھ کے بانی کا رنگ آج تک وہاں کے تعلیمیافتہ اصحاب میں پایا جاتا ہے۔ اس

حقیقت کو خالق بشر سے زیادہ کون جان سکتا ہے۔ الا یعلم من خلق۔ انسانی فطرت کا تقاضا ہے جس کو مدنظر رکھ کر اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو عملی نمونہ قرار دیا۔ اور آپؐ کی پیروی لازمی قرار دی۔ اس کے بغیر سیرت محمدیؐ کسی صورت میں پیدا نہیں ہو سکتی۔ جو اصحاب سنت کے نام سے بدکتے ہیں ان میں بھی ایک بھی ایسا نہیں جس میں سیرت محمدیؐ کا فقدان پایا جاتا ہو وہ اس سے یکسر کورے ہیں۔

اس سیرت کے انسان میں ایک قدسی طاقت پیدا ہو جاتی ہے جس کو بجلی کی رَو سے تشبیہہ دی جا سکتی ہے۔ جو شخص ایسے کامل انسان سے دوچار ہوتا ہے وہ بغیر اثر پذیر ہوئے نہیں رہ سکتا ہے جیسا بجلی کی رَو سے لمس پیدا ہو تو اس کا اثر تمام جسم پر پڑتا ہے۔ اسی لئے حکم ہے کونو مع الصادقین کی صحبت اختیار کرو۔ اسلام حضورؐ کی اس قدسی طاقت اور صرف اس طاقت سے پھیلا ہے۔ یہ بہتانِ عظیم ہے کہ اسلام تلوار سے پھیلا۔ ۶ھ میں حضور ۱۴۰۰ صحابیوں کے ساتھ حج کے ارادہ سے عازم مکّہ ہوتے ہیں لیکن حدیبیہ کے مقام پر کفار مکّہ نے ان کو روک دیا کہ آگے نہیں جانا اور فریقین میں صلح ہوئی جس کے رُو سے کفار نے کہا کہ اس سال آپ کو اجازت نہیں دے سکتے اگلے سال آپ حج کے لئے آ سکتے ہیں اور شرائط صلح میں ایک شرط یہ تھی کہ کفار مکّہ سے اگر کوئی مسلمان ہو کر مدینہ پہنچا تو رسول اکرمؐ اسکو واپس کریں گے اور مدینہ میں جگہ نہ دیں گے اور اگر کوئی مسلمان مرتد ہو کر

کفار سے ملے گا تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔ کیا یہ کافی ثبوت نہیں کہ اسلام تلوار سے نہیں پھیلا۔ چنانچہ اس صلح کے بعد کفار سب طرف سے مدینہ آنے لگ گئے کیونکہ جنگ کی حالت منافرکہ میں بدل چکا تھا اور جب کفار نے شرائط صلح کو توڑ کر مسلمانوں کے حلیف پر حملہ کیا تو مسلمان ان کی امداد کے لئے تیار ہو گئے۔ اس سال رسول اکرمؐ نے دس ہزار کے لشکر سے مکہ پر چڑھائی کی۔ ایک سال قبل ان کے ساتھ ۱۴۰۰ افراد تھے اور سال سوا سال کے بعد دس ہزار کا لشکر جمع ہوا۔ یہ امن اور صلح کا نتیجہ تھا کہ تبلیغ کا میدان کھل گیا اور عربوں کے وفد کے وفد تحقیق حق کے لئے مدینہ آئے اور انکو یقین ہو گیا اور صلح حدیبیہ سے ثابت ہو گیا کہ مسلمان دین کے معاملہ میں جبر نہیں کرتے۔ اس سے قبل ۲۲ سال کے عرصہ میں صرف تقریباً ۲۰۰۰ دو ہزار انسان تمام دفاعی لڑائیوں میں مارے گئے اور تئیسویں سال صلح کی حالت میں تقریبا دو ہزار (۲۰۰۰) نفوس سے مسلمانوں کی تعداد دس ہزار کو پہنچی۔ اور فوج در فوج قبائل عرب اسلام میں داخل ہوئے۔ یہ سیرت محمدی اور اخلاق محمدی تھے جنہوں نے عرب کو گرویدہ کر دیا اور ایسا گرویدہ کیا کہ کہاں وہ دشمن تھے اور کہاں وہ پروانۂ شمع نبوت بنے۔ آج مسلمان ذلیل اور مغلوب ہو گئے ہیں۔ کیونکہ ان میں وہ سیرت نہیں رہی اور رسول اکرمؐ نہ صرف صحابہؓ کے نمونہ تھے بلکہ خدا نے ان کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا۔ مسلمان آج خوفزدہ ہو گیا ہے اور اگر اہل مغرب کوئی مذہب ایجاد کریں تو مشرق والے اس

کو بھی قبول کرنے کو تیار ہوں گے۔ مغرب کی صنعتی ترقیوں نے مشرق والوں کی آنکھیں چکا چوند کر دی ہیں۔ لیکن مغرب اب بھی اخلاق محمدیؐ کا محتاج ہے۔ اس زمانہ کے لوگوں نے ۱۹۱۴ تا ۱۹۱۸ کی پہلی جنگ عظیم بھی دیکھی اور ۱۹۳۹ تا ۱۹۴۵ء کی دوسری جنگ عظیم بھی دیکھ چکے ہیں۔ ان جنگوں میں جن اخلاق کا مظاہرہ اقوام مغرب کر چکی ہیں وہ انسانیت نہیں بلکہ حیوانیت تھی۔ اور تیسری متوقع جنگ میں حیوانیت کے کمال کا مظاہرہ ہوگا۔ ان جنگوں کی فتح مکہ سے کیا نسبت۔ ان کفار کو جنہوں نے رسول اکرمؐ اور مسلمانوں کو ایسی اذیتیں دیں کہ انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور پھر جب وہ ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے تو ان کو دم تک نہیں لینے دیا کہ فوراً تیاری کر کے اُن پر حملہ پہ حملہ کرتے رہے جب مکہ فتح ہوا تو رسول اکرمؐ نے اعلان کیا لا تثریب علیکم الیوم۔ تم پر کوئی گرفت نہیں۔ کوئی جرمانہ نہیں۔ کوئی تاوان جنگ نہیں۔ کوئی جبر نہیں۔ ابوجہل کا لڑکا جس نے کچھ مقابلہ بھی کیا بھاگ گیا اور جدہ پہنچا کہ حبش چلا جائے۔ رسول اکرمؐ کے اعلان پر عکرمہ کی بیوی حاضر ہوئی اور عرض کی کہ عکرمہ بھی اس معافی میں شامل ہے کہ نہیں تو فرمایا ہاں وہ بھی معاف ہے۔ بیوی نے کہا کہ اگر مسلمان نہ ہو تو فرمایا اگر مسلمان نہ بھی ہو۔ وہ فوراً جدہ پہنچے اور عکرمہ کو یہ سب ماجرا سنایا اور کہا کہ واپس ہو جاؤ سارے لوگوں کو معافی مل چکی ہے۔ چنانچہ وہ واپس ہوا اور جب رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اُس نے بیان کیا کہ میری بیوی نے

آکر مجھے قصہ سنایا ہے کہ آپ نے مجھے بھی معاف کر دیا ہے تو فرمایا ہاں۔ پھر اس نے کہا خواہ میں کفر پر رہوں اور اسلام نہ لاؤں تو فرمایا ہاں اسلام لانا تمہاری ضمیر کا کام ہے کوئی جبر نہیں اور نہ تمہاری معافی کے لئے شرط ہے تو عکرمہ نے کہا کہ واقعی آپ خدا کی طرف سے مامور ہیں اور وہ بھی اسلام لے آیا۔

ہم فخر کے ساتھ یورپ اور امریکہ کو اخلاقی دعوت دے سکتے ہیں۔ مغرب میں صنعت کا کمال ہے۔ مشرق اور اسلام میں سیرت اور اخلاق کا کمال ہے۔ یورپ اور امریکہ خواہ اپنی حیوانیت سے تنگ آ گئے ہیں ان کے کاموں میں ذاتی اغراض ہوتی ہیں اور اسلام چاہتا ہے جو کام ہو رضائے الٰہی کے لئے ہو۔ آج امریکہ اور یورپ غلہ، روپیہ، ادویہ وغیرہ سے مشرقی ممالک کی امداد کر رہے ہیں کس لئے، ہمدردی کے لئے نہیں بلکہ اس لئے کہ ان کے مدمقابل دشمن سے لڑائی کے وقت یہ مشرقی ممالک ان کے کام آویں۔ سڑکوں پر لاکھوں کا خرچ کیا جاتا ہے ترکی کو عراق سے عراق کو ایران سے بذریعہ سڑک ملانے کا سامان کیا جا رہا ہے۔ پاکستان کو افغانستان سے بذریعہ ریل ملانا چاہتے ہیں، سب اپنے مفاد کے لئے اور جنگی تیاریوں کے لئے منصوبے بنائے جا رہے ہیں۔ ان حالات میں یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ مغرب اخلاق اسلامی کا محتاج ہے اور جب وہ حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور رسول اکرم کو اپنا اسوہ بنایا تو اسلام کا سورج مغرب میں آب و تاب سے چمکے گا۔

چونکہ اسلام کی بنیادی تعلیم ہے کہ ساری مخلوقات خدا کی پیدائش اور ایک ہی نسلِ انسانی ہے۔ گورے اور کالے کی کوئی تمیز نہیں۔ مشرق اور مغرب کا کوئی امتیاز نہیں جس طرح یہ نسل ایک مرکز سے چلی خدا تعالےٰ نے بذریعہ آخری نبی اور وحی کامل ان کو ایک مرکز میں جمع کرنا چاہا تاکہ ایک عالمی اخوت قائم ہو۔ اس لئے رسول اکرمؐ پر نبوت ختم کر دی، تاکہ ساری دنیا میں ایک نبی ہو اور ایک کتاب اور مذہبی منافرت کا خاتمہ ہو جائے۔ جس کی بنیاد اسلام کے اس اصول پر ہے کہ تمام کتابیں اور انبیاء خدا ہی کی طرف سے آتے رہے اور ایک مسلمان کے لئے ان سب پر اجمالاً ایمان لانا ضروری ہے۔ نبی کے انکار سے امتوں کی امتیں کافر ہو جاتی ہیں۔ یہودیوں میں صدہا انبیاء آئے لیکن حضرت مسیح کے انکار سے ملعون ہو گئے۔ حضرت مسیح ناصری کے متبعین نے سرورِ کائنات سے انکار کیا لہٰذا کافر قرار پائے۔ یہ خدا تعالےٰ کا احسان عظیم ہے کہ اب نسلِ انسانی کسی اور پر ایمان لانے کی متکلف نہیں رہی۔ ہاں مرورِ ایام سے جو گرد و غبار اسلام کے روشن چہرے پر پڑتا ہے اسکو رفع کرنے کے لئے مکمل سیرتِ محمدیؐ رکھنے والے انسانوں کا سلسلہ جاری کر دیا گیا۔ وہ اپنے عملی نمونہ سے لوگوں کو راہِ راست پر لاتے ہیں۔ ایسے وجود کو اصطلاحِ اسلام میں محدّث یا مجدّد کہتے ہیں، جن کا انتخاب خود خدا تعالےٰ زمرۂ اولیاء سے فرماتا ہے۔ ان کے علاوہ اور اولیاء اللہ بھی ہوتے ہیں، جو اپنے

اپنے دائرہ اور حلقہ میں لوگوں کو روشنی پہنچاتے ہیں۔ یہ مجدّدین رسول اکرمؐ کے غلام اور ظلّ ہوتے ہیں اور جیسے رسول اکرمؐ مستجاب الدعوات تھے فصلّ علیھم ان صلوٰتک سکن لھم اور بوجہ رسول اللہ کے ظلّ ہونے کے یہ طائفہ اوروں کے مقابلہ میں مستجاب الدعوات ہوتے ہیں اور ان کی اکثر دعائیں قبول ہوتی ہیں تاکہ لوگوں پر ان کی درگاہ الٰہی میں رسائی اور قرب ثابت ہو جاوے اور وہ لوگوں کے لئے مرکز توجہ ہو جاویں۔ ان کی نشانی یہ ہے کہ وہ سائل کو خدا تعالیٰ سے علم پاکر اطلاع دیتے ہیں کہ دعا قبول ہو گئی ان کا کام ہو جائیگا یا تقدیر الٰہی یہی ہے کہ ان کا یہ کام نہیں ہوگا۔

حضرت مولانا غلام حسن رحمۃ اللہ علیہ جن کے سوانح حیات آئندہ صفحات میں درج ہیں یقیناً ایسے کامل انسان تھے میں ۱۸۹۲ سے ان کی سال وفات فروری ۱۹۴۳ تک ان کی صحبت میں رہا۔ ان سے قرآن سیکھا۔ حدیث پڑھی، ان کے اخلاق اور سیرت کا خوب مطالعہ کیا اور ان کی قبولیت دعا کے نظارے دیکھے۔ ہر رنگ میں ان کی سیرت اور اخلاق دیگر صاحب حال لوگوں سے ممیز پائی۔ عوام کا ذکر ہی کیا، جب تک کسی چیز میں چمک پیدا نہ ہو وہ انسانی طبیعت کو جذب نہیں کر سکتی۔ اسی طرح ہر زمانہ میں ایسے جاذب وجود ہوتے ہیں جن کی سیرت اور اخلاق میں چمک پیدا ہو جاتی ہے۔

اس تذکرہ میں کوئی ایسی چیز نہیں جو وقوع پذیر نہ ہوئی ہو اس میں نہایت

اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ اور بہت سے ایسے واقعات کو قلمبند نہیں کیا گیا جن کی شہادت دینے والے صفحۂ ہستی سے مٹ چکے ہیں اور کوئی تحریری شہادت باقی نہیں چھوڑ گئے۔ بہت سے لوگوں کی دعا کے لئے خطوط آتے تھے اور حضرت مولنا دعا کر کے جواب دیتے تھے ان کا علم ہم کو نہیں سوائے اس کے کہ کسی بات کا ذکر برسبیل تذکرہ حضرت مولانا صاحب مرحوم نے فرما دیا اور چونکہ ان کی طبیعت میں حیا اور حجاب بہت زیادہ تھا اور خود پسندی کا نام ونشان ان کے اخلاق اور گفتگو میں نہیں ہوتا تھا اس لئے وہ کسی امر کا ذکر عموماً نہیں فرماتے تھے۔ آپ سے جو شخص ملا ضرور اثر پذیر ہوا امید واثق ہے کہ تذکرہ کے پڑھنے والوں کے سامنے جب آپ کی مکمل تصویر آجائے گی تو وہ آپ کی حیات طیبہ سے ضرور اثر پذیر ہوں گے۔ راقم تذکرہ نے ایک بیش بہا خدمت سرانجام دی ہے جس کا اجر اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سعی جمیل کو قبول فرمائے اور پڑھنے والوں کے لئے سعادت کا ذریعہ بنا دے۔

واٰخر دعوانا الحمد للہ رب العالمین ؛

دلاور خان ۔ سابق کیوریٹر عجائب گھر پشاور
ساکن اسماعیلیہ ۔ ضلع مردان

حیاتِ حسن

چونکہ حضرت مسیح موعودؑ کے سابقون الاوّلون صحابہ کے مختصر حالاتِ زندگی کے جمع کرنے کا خیال سیکرٹری صاحب احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے دل میں پیدا ہوا انہوں نے ۱۹۵۵ء میں مجھے تحریک کی اور فروری ۱۹۵۵ء میں میرے عزیز بھانجے خان عبدالحمید خان افسر مال کیمبل پور نے بھی تحریک کی کہ میں اپنے والد بزرگوار کے حالاتِ زندگی جہاں تک مجھے علم ہے قلمبند کروں۔

بِسْمِ اللّٰہِ وَمَا تَوْفِیْقِیْ

اِلَّا بِاللّٰہِ

الحی القیّوم



ایّامِ طفولیّت

چونکہ حضرت والد صاحب بزرگوار کی وفات ۹۳ سال کی عمر میں واقع ہوئی اور اس سے ۱۳ سال بعد ۱۹۵۶ء میں جب ان کی سوانح حیات کو ضبطِ تحریر میں لانے خیال آیا ان کے ہمعصر کوئی زندہ نہ رہے تھے جن سے حالات معلوم ہو سکیں۔ اس لئے ایّامِ طفولیت کے حالات مفصل معلوم نہ ہو سکے جو کچھ حالات بعض قریبی اقارب سے معلوم ہوئے وہ ضبطِ تحریر میں لائے جاتے ہیں۔

اسم گرامی غلام حسن تھا اور عام خاندان اور قوم میں حسن خاں کے نام سے مشہور رہے۔ آپ نیازی قوم کے ایک معزز زمیندار قبیلہ کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے والد ماجد اپنی قوم کے ایک سردار تھے۔ قوم نیازی میں خوانین کو ابھی تک سردار کے نام سے خطاب کیا جاتا ہے۔ نیازی قوم لودی خاندان کی ایک شاخ ہے۔ پنجاب اور ہندوستان میں عام طور پہ لودھی لکھا جاتا ہے جو لاعلمی پہ منحصر ہے۔ اصل لفظ لودی ہے جو عبرانی لفظ ہے۔ دھی کا تلفظ پشتو میں نہیں۔ اسی طرح پشتو میں تھا بھی نہیں۔ پٹھان نے جب کہنا ہو "وہ کرتا تھا" تو وہ کہے گا "وہ کرتا تا"۔ ایسے غلط العام الفاظ کی ایک دو مثالیں میں یہاں دینا مناسب خیال کرتا ہوں۔ ڈیرہ اسمٰعیل خان میں ایک قبیلہ ہے جن کو گنڈاپور کہتے ہیں۔ مجھے ان کے افغان ہونے میں ہمیشہ شک رہا کیونکہ نہ گنڈا پشتو لفظ ہے اور نہ پور۔ پور فارسی ہے اور گنڈا ہندی۔ یہ عام قاعدہ ہے کہ ایک زبان کے لفظ دوسری زبان

اور قوم میں دوسری قوم کے تلفظ اختیار کر لیتا ہے۔ مثلاً فرنچ۔ جب صلیبی جنگیں ہو رہی تھیں۔ یورپین حملہ آوروں میں سب سے زیادہ فرانس کے لوگ اور ان کے بہادر تھے اور اکثریت انہی کی تھی اس لئے فرینچ کا لفظ جب معرب ہوا تو فرنجی بنا کیونکہ چ عربی میں نہیں ہے اور بول چال کی سہولت کے لئے آفرنجی بنا۔ ہندوستان اور ایران جہاں گ آسانی سے بولی جاتی ہے ان کو فرنگی میں تبدیل کر دیا گیا۔ اور سارے یورپین فرنگی کہلانے لگے اور ان کی مستورات کو میم صاحب۔ جہاں انگریزی میں مسز خالد کہا جاتا ہے وہاں فرانسیسی میں مَم خالد کہا جاتا ہے۔ مَم سے ہندوستانیوں نے سب یورپین مستورات کو میم کا نام دیدیا۔ جب سلسلۂ ملازمت میں میری تعیناتی وزیرستان میں ہوئی تو یہ معمہ کھلا کہ گنڈاپور کیوں گنڈاپور کہلاتے ہیں۔ حضرت مسیحؑ کے زمانہ میں ایران سے ایک قوم سندھ اور بلوچستان کے راستہ ہندوستان آئی اور ٹیکسلا اور سندھ سے اٹک تک اُن کی حکومت تھی وہ گندا فرنیز کہلاتے تھے۔ انکے سکے کشمیر ٹیکسلا وغیرہ مقامات سے دستیاب ہوئے۔ گنڈا فرنی۔ گنڈاپور بن گیا۔ کیونکہ پشتو میں ف کی جگہ پ استعمال ہوتا ہے۔ دوسری مثال ایک وزیر قبیلہ کی ہے جو ہاتھی خیل کے نام سے مشہور ہیں۔ ہتھی پشتو لفظ نہیں۔ بنوں کے لوگ برخلاف افغانان خٹک دوہاٹ دپشاور (د) کی جگہ بعض الفاظ میں (ی) استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً جہاں شمالی افغانوں کی زبان میں (کور) گھر کو کہتے ہیں بنوں والے کور کو کیر کہتے

ہیں اور (اُور) آگ کو اور کہتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کا مسکن عراق میں جہاں سب سے بڑا آتش کدہ تھا اس شہر کا نام بھی اور تھا۔ جو آگ کے لئے عبرانی لفظ ہے۔ اور بعض جگہ الف کی جگہ (ی) استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً عطا محمد کو وہ عطی محمد کہیں گے۔ ہاتھی خیل اصل میں عطی خیل وزیروں کا بگڑا ہوا نام ہے۔ چونکہ عوام (ع) اور (ط) عربی لہجے کے الفاظ ٹھیک استعمال نہیں کرسکتے تھے مثلاً مشعل خان کو پٹھان اکثر مشال خان کہتے ہیں اسی طرح چونکہ پہلے پہل صوبہ سرحد میں پنجابی پٹواری محکمہ بندوبست میں کام کرتے تھے کسی نوش فہم پنجابی پٹواری نے عطی خیل یا آتی خیل ہاتھی خیل بنا لیا اور اس وقت سے عام طور پر ہاتھی خیل مشہور ہو گئے۔ ورنہ اصل تلفظ عطی خیل ہے۔

قوم لودی کا اب افغانستان میں اس قدر زور نہیں ہے جیسے اس کے بھائی غلزائی کا ہے۔ لودی سب سے اوّل افغان قوم ہے جس نے ہندوستان پر حکومت کی۔ شیر شاہ سوری اور اس کے جانشین بھی سب لودی تھے۔ ان کے نام کا شہر لدھیانہ ہے جو اصل میں لودی میانہ ہے یعنی لودی کا گاؤں۔ کثرت استعمال سے لودیانہ ہو گیا اور پھر ہندی تلفظ میں لدھیانہ۔

لودیوں کے فی زمانہ بڑے بڑے مسکن ان علاقہ جات میں ہیں علاقہ گردیز۔ غزنی۔ لغمان۔ علاقہ جلال آباد افغانستان۔ ضلع کوہاٹ۔ ضلع میانوالی۔ پاکستان۔ یوپی ہندوستان وغیرہ۔ کچھ لوگ زمانہ شیر شاہ

کے بقیہ مشرقی پاکستان میں بھی تھے ۔ ان کے علاقہ کا نام نوکھلی ہے ۔
جو اصل میں پشتو لفظ ہے نوے کلی ۔ نیا شہر ۔ سلہٹ ۔ سل ہٹ ۔ سو
دوکانات ۔ میانوالی کا علاقہ فتح کئے ہوئے کوئی لمبا عرصہ نہیں ہوا ۔ اغلباً
سو سوا سو سال کا عرصہ ہوا قبیلہ نیازی نے علاقہ بنوں سے دریائے
سندھ کو عبور کر کے تل علاقہ میانوالی کو فتح کیا اور جاٹ اور ڈاڈوں کو وہاں
سے دھکیل کر نکال دیا ۔ دریائے سندھ کے پار صوبہ سرحد میں اب بھی
ان کا مسکن کالا باغ اور ضلع کوہاٹ میں بھی ہے ۔ دریائے سندھ سے
مشرقی کنارے کی زمین کا نام کچھ ہے جو اصل میں پشتو لفظ کسہ ہے
اور بارانی علاقہ کا نام تھل ہے جو اصل میں پشتو لفظ تل ہے ۔ عربی میں
تل ٹیلے کو کہتے ہیں ۔ اور پشتو میں غیر مزروعہ بنجر و بارانی علاقہ کو تل
کہتے ہیں ۔

بچپن کا ماحول

قبائلیوں کے بڑے بڑے گاؤں نہیں ہوتے بلکہ ہر خاندان کی اپنے چند گھروں کی آبادی ہوتی ہے جس کو بانڈہ یا کڑدی کہتے ہیں۔ چنانچہ بچپن میں والد بزرگوار کی معیت میں اپنے آبائی مسکن گیا تو ہمارے چار چچاؤں کے چار رہائشی کوٹھے تھے جن کی احاطہ بندی نہیں تھی۔ ایک حجرہ یعنی مردوں اور مہمانوں کے بیٹھنے کی جگہ ایک مسجد اور ایک بڑے چچا صاحب کی بھیڑوں کے ریوڑ کا احاطہ تھا ایک یا دو کوٹھے ہمسایوں کے مثلاً ترکھان لوہار کے کوٹھے تھے۔ ایسے ماحول میں ہمارے والد بزرگوار کی پیدائش اور بچپن کا زمانہ گذرا اور ایسی آزاد فضا میں ان کی پرورش ہوئی ایام طفولیت میں آپ کے نانا صاحب فتح خان صاحب جو ایک خدا رسیدہ بزرگ اور عابد اور زاہد شخص تھے اور تہجد کی نماز کے لئے مسجد جاکر صبح کی نماز کے بعد نکلتے ان کے متعلق ہماری دادی صاحبہ کی زبانی ایک قصہ سنا کہ ایک دن نانا صاحب نے آواز دیکر ہمارے والد صاحب کو بلایا کہ حسن خان کو میرے پاس لاؤ۔ انہوں نے ان کو گود میں لے کر پیار کیا اور ان کی والدہ کو کہا کہ آج رؤیا میں میں نے اس کو رسول اکرمؐ کی گود میں دیکھا اور یہ بڑا نیک اور بزرگ ولی اللہ ہوگا۔

ایسے بانڈہ میں مدرسہ کہاں تھا۔ نہ مدرسہ تھا۔ نہ تعلیم کا بندوبست صرف مسجدمیں بچوں کو قرآن مجید پڑھایا جاتا تھا تعلیم کے لئے انکو کئی میل

دُور پیدل جانا پڑتا اور گھر میں والد صاحب کو زمینداری کے کاموں میں امداد بھی دیتے تھے۔ بچپن میں انہوں نے خود بھی ایک خواب دیکھا جب کہ وہ ورنیکلر سکول میانوالی میں تعلیم پاتے تھے۔ کہ ایک تہ خانہ کی طرح ایک مکان میں ایک مردہ نفیس کفن میں لیٹا ہوا ہے۔ جو زندہ ہو کر اُن سے بتنظر تلطف تکلم کرتا ہے اور نوازش کرتا ہے اس کی مسکراہٹ سے میں نے دیکھا کہ ایک دانت ٹوٹا ہوا ہے۔ یہ خواب جب میں نے بیان کیا تو بعض نے اس حلیہ سے جو میں نے بیان کیا کہا کہ وہ رسول کریمؐ تھے۔ نتیجتاً مجھے بچپن ہی سے دین کے ساتھ دلچسپی پیدا ہو گئی اور اکثر اوقات فراغت میں میں اپنے شوق سے مسجد میں جاکر قرآن کریم پڑھا کرتا اور مجھے اپنے ذہن اور حافظہ میں ترقی محسوس ہوئی۔ اور اپنے معلومات بڑھانے کے لئے دینی مدرسوں میں جانا شروع کیا اور آخر وقت وہ وقت آیا جبکہ گھر سے تعلیم کے لئے ہجرت کرنا مقدر تھا۔

ہجرت

جیسے خدا تعالےٰ کی سنّت ہے کہ جن لوگوں سے اس نے کوئی خاص کام لینا ہوتا ہے ان کی تربیت کے سامان خود پیدا کرتا ہے بعض وقت ایسے رنگ میں کہ موسٰے سے ایک شخص اتفاقاً اسکے مکّا مارنے سے مرجاتا ہے اور وہ وہاں سے بھاگتے ہیں اور خدا تعالیٰ ان کو شعیب پیغمبر کے ہاں پہنچاتا ہے۔ ورنہ موسٰےؑ جو اس وقت فرعون کے گھر میں بطور شہزادہ زندگی بسر کر رہے تھے کب اس زندگی کو چند بھیڑیں چرانے کے لئے قربان کر سکتے تھے۔ لیکن انہیں رسالت پر ممتاز کرنے کے لئے اللہ تعالےٰ نے بھی بادشاہت چھینتا ہے جو وہ بھی اسی کی عنایت سے ملی تھی۔ پہلے قتل سے بچا کر فرعون کے محل پہنچاتا ہے اور اس کو مصر کا شہزادہ بناتا ہے پھر دوسری دفعہ قتل کی سزا سے بچا کر رسالت پر سرفراز فرمانے کے لئے ان کو شعیب کی صحبت میں رہنے اور بھیڑیں چرانے پر مامور فرماتا ہے۔ اسی طرح جس طرح حضرت یعقوب حضرت یوسف کو مصر کا وزیر اعظم بننے کیلئے کب اپنے سے جدا کرنا قبول فرماتے لیکن اس کو اس کے بھائی ایک کنوئیں میں اتارتے ہیں تاکہ جنگل کے درندوں سے بچے رہیں اور پھر ایک قافلہ والوں پر جو مصر جا رہے تھے فروخت کرتے ہیں۔ پھر وہ مصر پہنچتے ہیں اور بادشاہ کا ایک افسر اس کو خریدتا ہے اور حضرت یوسف

ایک عالی خاندان میں پرورش پاتے ہیں۔ پھر جیسے وہ بڑے ہوئے شہزادگی چھین لیتا اور رسالت دے دیتا ہے یوسف کو بھی وہ آرام اور عزت کی زندگی سے جدا کر کے جیل میں رکھتا ہے جہاں اسکو مجاہدہ کا موقع ملتا ہے اور وہاں سے باعزت بریت بلکہ مصر کا وزیر اعظم بناتا ہے حضرت یوسف اللہ تعالیٰ کی ان باریک تدبیروں کا کیسے پیارے محبت بھرے الفاظ میں ذکر فرماتے ہیں۔ ان ربی لطیف لما یشاء ایسے ہی ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں جس کے باعث والدبزرگوار کو ہوش سنبھالتے ہی وطن سے ہجرت کرنی پڑتی ہے۔

حضرت والدصاحب اور ان کے چھوٹے بھائی عظمت خان ہل چلا رہے تھے اور والدصاحب اغلباً بوجہ تھک جانے کے دم لینے ٹھہر گئے تو عظمت خان نے اپنے والدصاحب یعنی ہمارے دادا صاحب سے شکایت کی کہ بھائی حسن خان کام چھوڑ دیتے ہیں جس پر وہ خفا ہوئے دوسرے دن حضرت والدصاحب نے اپنے چھوٹے بھائی کو مارا کہ تم نے والدصاحب کے پاس شکایت کیوں کی۔ اور جب عظمت خان نے پھر شکایت کی تو والدصاحب کو ان کے والدبزرگوار نے زجر کیا۔ اس واقعہ نے ان کی کایا پلٹ دی اور وہ میانوالی چچا فتح خان کے پاس چلے گئے کہ میں تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہوں اور یہ زمینداری نہیں کرتا۔ چچا فتح خان نے ان کو گھوڑی پر چڑھا کر سکیسر کے پاس ایک جید اور مشہور عالم کے پاس تعلیم کے لئے پہنچا دیا جہاں وہ تعلیم حاصل کر کے پھر

راولپنڈی میں نارمل میں داخل ہوئے۔ اور نارمل کے آخری امتحان میں اوّل آئے حضرت والد صاحب نے ذکر کیا تھا کہ جب وہ نارمل میں تھے ان کو بشارت ہوئی کہ ان کی شادی پشاور میں مرزا محمد اسمٰعیل کی لڑکی سے ہوگی۔

پشاور صوبہ سرحد میں متوطن ہونے کا آغاز

نارمل کے امتحان میں آپ اول آئے تھے۔ ان دنوں ہمارے نانا صاحب
مرزا محمد اسمٰعیل صاحب پشاور میں ڈسٹرکٹ انسپکٹر تھے اور ورنیکولر مڈل
سکول کے لئے ہیڈ ماسٹر کی ضرورت تھی تو انہوں نے والد صاحب کو
بطور ہیڈ ماسٹر پشاور بلالیا۔ مرزا صاحب جناب والد صاحب کے زہد
اور تقوے سے اتنے متاثر ہوئے کہ اپنی ہمشیرہ کی لڑکی کی جو اکلی لیپالک
لڑکی تھی ان کی شادی کر دی اور چونکہ حضرت مرزا احمد اسمٰعیل صاحب بڑے
صاحب علم متقی اور بڑے پایہ کے صوفی تھے حضرت والد صاحب کو
تصوف کا ذوق ان کی صحبت سے پیدا ہو گیا۔ مرزا صاحب قندھار سے
ہجرت کر کے پشاور آئے تھے۔ ان کے والد جار جیا کوہ قاف کے
ترک تھے، جہاں ترکوں کو مرزا صاحب کے خطاب سے پکارا جاتا ہے
چونکہ وہ بڑے تاجر تھے اور روم، ایران اور ہندوستان کے درمیان
ان کے تجارتی قافلوں کی آمد ورفت رہتی تھی انہوں نے قندھار کو اپنا
ہیڈ کوارٹر بنانا پسند کیا اور اسی جگہ متوطن ہو گئے۔ افغانستان اور انگریزوں
کے ایام جنگ میں جیسے افغانستان میں عام رواج ہے کہ اہل غرض لوگ،
سرداروں اور آسودہ حال لوگوں کے خلاف الزامات لگاتے ہیں اور
بوجہ ایام جنگ بلاتحقیق سب رطب و یابس کو مانا جاتا ہے۔ اسی طرح
مرزا صاحب بھی ملامت کا نشانہ بنے اور انہوں نے قندھار سے ہجرت

ان کی مختصر سوانح بطور حاشیہ درج ہے۔ غرض حضرت مرزا صاحب والد صاحب کے لئے ایسے ثابت ہوئے جیسے شعیب حضرت موسیٰ کے لئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے بعد کے واقعات سے ثابت ہوگا کہ خدا تعالے کی مشیت خاص کے ماتحت حضرت مرزا صاحب اور حضرت والد صاحب کی راہ میں ایسے واقعات وقوع میں آئے کہ دونوں کو ہجرت کرنی پڑی اور پشاور میں متوطن ہو گئے۔ خدا تعالیٰ کی مشیت کی غرض وغایت کا ذکر آگے آئے گا۔

ایامِ ہیڈ ماسٹری کے قابلِ ذکر واقعات

حضرت والد صاحب کے قابلِ ذکر واقعات حسبِ ذیل ہیں :-

(۱)- آپ نے قرآن شریف حفظ کیا۔ فرماتے تھے کہ سکول جاتے اور آتے وہ ایک دو رکوع حفظ کرتے لیکن اکثر بھول جاتے۔ ان کا فرمانا تھا کہ اس اثنا میں ایک رات رؤیا میں حضرت رسول اکرمؐ کی زیارت نصیب ہوئی تو میں نے سوءِ حافظہ کی شکایت کی کہ میں قرآن حفظ کرتا ہوں اور حافظہ کی کمزوری سے بھول جاتا ہوں۔ حضور نے فرمایا آج کے بعد آپ کو نہیں بھولے گا چنانچہ ان کا فرمانا ہے کہ اس کے بعد حافظہ ایسا ہی مضبوط ہو گیا جیسا حضور رسول اکرمؐ نے فرمایا۔

(۲)- جیسا کہ اوپر ذکر ہوا کہ حضرت مرزا احمد اسمٰعیل صاحب کی فیض صحبت سے حضرت والد صاحب کو علمِ توجہ کا شوق ہوا۔ ان دنوں ہمارے ساتھ کے دوسرے محلہ میں ایک نجار یعنی ترکھان رہتا تھا جس کو توجہ میں کمال حاصل تھا۔ حضرت والد صاحب اور ان کے ایک دوست قاضی عبد الرحمٰن صاحب جو ڈپٹی کمشنر کے محکمہ کے رجسٹرار تھے۔ اس سے سبق لیتے تھے۔ حضرت والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ انہوں نے جلدی ہی ترقی حاصل کر لی اور گلی میں سے جو لوگ گزرتے ان کو نظر آتے تھے اور بعض وقت جب اُن کا کوئی واقف اور

روشنا س گذرتا تو خیال ہوتا کہ کہیں میرا تخیل نہ ہو تو دروازہ پر نکلتے
دیکھتے تو تخیل نہ ہوتا بلکہ واقعی وہ ہی شخص گذر رہا ہوتا۔ پھر فرماتے
کہ قوت شنوائی کی آزمائش کے لئے وہ توجہ کرتے اور قاضی عبدالرحمن
صاحب کے گھر کا حال سن سکتے تھے جن کا مکان ہمارے مکان سے
اقلاً ایک میل ہوگا۔ اور آزمائش کے لئے جب قاضی صاحب
سے کہا کہ آپ گھر میں فلاں باتیں کرتے تھے تو قاضی صاحب نے
کہا کہ آپ اتنی تکلیف کر کے جب گھر تک آئے تو میری باتیں
سن کر کیوں واپس ہو گئے مجھے کیوں نہ بلایا کہ میں نکل آتا۔ جس پر
والد صاحب نے فرمایا انہوں نے خاموشی اختیار کی اور یہ نہ بتایا
کہ توجہ سے انہوں نے قاضی صاحب کا مذاکرہ سنا تھا تاکہ ان کو
ملال نہ ہو کہ میں جو ان کا ہم سبق تھا اس قدر آگے نکل گیا ہوں چنانچہ
جب علم توجہ میں کمال حاصل کر چکے تو ان کے استاد نے بتایا کہ
اس سے آگے وہ ان کو نہیں لے جا سکتے ہیں اگر وہ چاہیں
تو قصابہ کے ملا صاحب کے پاس جائیں جو علاقہ جلال آباد افغانستان
میں قصابہ گاؤں میں رہتے تھے۔

(۳) - چونکہ سکول کو انگریزی مڈل اور انٹرنس بنانے کی سکیم تھی اس لئے آپ
نے انٹرنس کا امتحان دیا اور اس میں اول رہے۔ بعدہ ایف
اے کے امتحان کی تیاری کی لیکن وہ ابھی امتحان نہیں دے
سکے تھے کہ ان کا انتخاب بطور برٹش ایجنٹ قندھار ہو گیا اور

جب وہ پشاور سے گئے تو جب تک کہ امیر افغانستان کی طرف سے اُن کے انتخاب کے متعلق موافقت کی خبر آئے کوئٹہ میں تین ماہ تک اپنے ایک پشاور کے تاجر دوست عبداللہ اصغر علی کے ہاں مقیم ہوئے جو قربان علی خان ریٹائرڈ انسپکٹر جنرل پاکستان کے چچا تھے۔ تین ماہ بعد امیر صاحب کی طرف سے خبر آئی کہ چونکہ والد صاحب کے عزیز و اقربا یعنی سسرال کی طرف سے رشتہ دار قندھار میں بہت ہیں اس لئے ان کے تقرر سے وہ موافقت نہیں کر سکتے ہیں چنانچہ انکو بحکم گورنمنٹ واپس آنا پڑا۔

(۴)۔ آپ کا سب سے مستحسن اقدام یہ تھا کہ آپنے انجمن حمایت اسلام لاہور کی لائن پر ایک انجمن بنائی اور ایک اسلامیہ سکول جاری کیا چنانچہ سکول اور انجمن کے آپ صدر تھے۔ اور لائق اساتذہ پنجاب سے سکول کے لئے منگوائے۔ یہی سکول تھا جسے صاحبزادہ عبدالقیوم کے وقت اسلامیہ کالج اور عبدالقیوم خان وزیر اعظم کے وقت یونیورسٹی کی شکل اختیار کر لی مسلمانوں میں تعلیمی بیداری اور ذوق پیدا کرنے کا سب سے اوّلین مدرسہ اسلامیہ سکول پشاور ہی تھا۔

سکول گورنمنٹ کی ملازمت میں آپکا پہلا تبادلہ

جیسا کہ اوپر فقرہ نمبر ۳ میں ذکر کیا گیا حضرت والد صاحب کا انتخاب بطور برٹش ایجنٹ قندہار کیا گیا اور امیر عبدالرحمان کی منظوری کے انتظار میں انہیں تین ماہ تک کوئٹہ میں انتظار کرنا پڑا بعد امیر عبدالرحمن کے جواب آنے پر کہ چونکہ منتخب ایجنٹ صاحب کے سسرال کی طرف کے اقرباء قندھار میں موجود ہیں اس لئے وہ اُن کے تقرر سے موافقت نہیں کر سکتے اور حضرت والد صاحب کو واپس آنا پڑا۔

واپسی پر وہ کافی مدت تک بیکار رہے۔ کیونکہ سکول سے فارغ ہو چکے تھے اور راجنپور سے واپس آنا پڑا۔ کوئٹہ سے واپسی پر وہ حکام بالا کو جنہوں نے اُن کا انتخاب کر کے بھیجا تھا ملے اور اولیاء اللہ کی طرح گھر بیٹھ گئے یہ الٰہی امتحان کے دن تھے جس کے ذریعہ خدا تعالےٰ کو اپنے اولیاء کا تزکیہ اور تطہیر منظور ہوتا ہے والدہ صاحبہ فرماتی تھیں کہ ان ایام بے کاری میں انہوں نے سارے زیورات اور قیمتی اثاث البیت فروخت کر کے وقت گذرا اور بعض وقت سخت وقت گذرا لیکن والد صاحب کسی کے پاس سوال کرنے نہ گئے اور نہ ملازمت کے لئے سوال کرنے گئے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ جب میں اوّل اوّل تلاش ملازمت کے لئے نکلا تو

انہوں نے مجھے ایک ہدایت نامہ لکھکر دیا اس ہدایت نامہ کا سب سے پہلا فقرہ یہی تھا کہ کبھی کسی سے کچھ نہ مانگنا مجھے جو کچھ ملا خدا کی درگاہ سے ملا پس تم جو مانگو اپنے مولا سے مانگو۔ اتفاق سے شہزادہ محمد ابراہیم صاحب ایک دن جب کمشنر صاحب سے ملنے گئے تو کمشنر صاحب نے کہا کہ شہزادہ صاحب میرا خیال ہے کہ آپ کے بھتیجے شہزادہ اسد جان کو جو شہزادہ صاحب کا داماد بھی تھا سب رجسٹرار مقرر کر دیں۔ کمشنر صاحب شہزادہ صاحب پر مہربان تھے اور ملاکنڈ کی جنگ میں شہزادہ صاحب کمشنر کے معاون تھے۔ شہزادہ صاحب نے کہا کہ میرا بھتیجا اس کام کو پسند نہیں کرے گا اور یہ کام ایک بے نفس اور بڑے دیانتدار اور دیندار شخص کا کام ہے محمد اسد جان ایسے کام کو پسند کرے گا جیسے منصفی کہ بیٹھے حکم کرے اور فیصلے کرے۔ کمشنر صاحب نے پوچھا کہ پھر کون شخص اس کام کے لئے موزون ہے، شہزادہ صاحب نے ہمارے والد بزرگوار کا نام لیا کہ وہ موزوں اور مستحق بھی ہے کہ قندھار کی ایجنسی سے واپسی پر ابھی تک بے کار ہیں۔ کمشنر صاحب نے کہا کہ وہ عرضی دے دیں شہزادہ صاحب نے بتایا کہ وہ عرضی نہیں کریں گے اگر عرضی کرتی ہوتی تو اتنی مدت سے جو بے کار ہیں آپ کو ملتے اور کوئی عرضی کرتے اس پر کمشنر صاحب نے کہا اچھا کوئی حرج نہیں اور اس نے ان کی تقرری کا حکم صادر کر دیا جس پر وہ سب رجسٹرار مقرر ہو گئے۔

شروع میں سب رجسٹرار صاحب کے پاس صرف شہر کے املاک کے خرید و فروخت کی رجسٹریشن کا کام تھا۔ کچھ عرصہ بعد چیف کمشنر صاحب ان کو چھاؤنی کے املاک کے انتقالات کا کام بھی سپرد کر دیا اور پھر کچھ عرصہ بعد تحصیل پشاور کے انتقال املاک کا کام بھی انہیں کے سپرد ہوا۔

یہی کمشنر صاحب جب صوبہ سرحد پنجاب سے ۱۹۰۱ء میں علیحدہ ہوئے تو پہلے چیف کمشنر مقرر ہوئے ان کا نام سر ہیرلڈ ڈین تھا۔ انہوں نے والد صاحب کو میونسپل کمشنر مقرر کر دیا اور کچھ عرصہ بعد آنریری مجسٹریٹ جب مقرر کرنے لگا تو والد صاحب نے کہا کہ اس کام کے تو وہ لوگ خواہشمند ہوتے ہیں جن کی نظر اہل مقدمہ کے مال پر ہوتی ہے مجھ پر تو یہ ایک بے فائدہ بوجھ ہوگا تو چیف کمشنر صاحب نے کہا کہ ایسے لوگوں میں کم از کم ایک اعلےٰ درجہ کا دیانتدار بھی تو ہو یہ میں آپ کی عزت افزائی کے لئے کہہ رہا ہوں ورنہ اس میں شک نہیں کہ یہ آپ کے لئے جاذب توجہ نہیں۔ مگر میری خواہش ہے کہ آپ اس کو منظور کر لیں چنانچہ آپ آنریری مجسٹریٹ بھی مقرر ہو گئے۔

حکمت اور فصل الخطاب

خدا تعالےٰ نے اپنے بندوں کو بعض امور میں خاص مہارت عطا فرماتا ہے۔ حضرت داؤد کے متعلق ہے کہ اٰتیناہ الحکمۃ وفصل الخطاب۔ ایک مقدمہ میں حضرت داؤد سے غلطی ہوئی تو فرمایا ففھمنٰھا سلیمان۔ اور حضرت داؤد اور سلیمان تک یہ فضل محدود نہیں خدا تعا لےٰ آگے فرماتا ہے وکلاً اٰتینا حکماً وعلماً۔ حضرت والد صاحب نے کوئی قانونی امتحان پاس نہیں کیا تھا لیکن ان کو فصل الخطاب کی نعمت خداداد تھی۔

ان فرائض کے علاوہ مختلف عدالتہا سے دیوانی پیچیدہ مقدمات اور شرعی مقدمات بھی آپ کے پاس بھیجدیئے جاتے تھے جس میں حضرت والد صاحب بطور ثالث یا کمیشن مقرر کئے جاتے تھے۔ اور اس قسم کے بڑے مقدمات آتے تھے۔ جن کے لئے ان کو باقاعدہ ایک علیحدہ عدالت کی طرح کام کرنا پڑتا تھا۔ لیکن اکثر لین دین کے مقدمات میں زیادہ تر ہندو اور سکھ تنازعہ ہوکا ران کو ثالث مقرر کرتے اور جب اور مفروض مسلمان اعتراض کرتا تو وہ ہندو اور سکھ ہی کہتے کہ وہ تو مسلمان ہیں ہم اُن پر راضی ہیں تم مسلمان ہو کر راضی نہیں ہم نے تو کسی ہندو اور سکھ کو ثالث منظور نہیں کیا ہے۔ خانبہادر شیخ محبوب علی خاں نے جو ایک وقت جوڈیشنل کمشنر کے رجسٹرار تھے۔ جبکہ وہ اول

میں بکجا سفارتخانہ برطانیہ ۱۹۲۱ء سے ۱۹۲۴ء تک کابل میں تھے۔
مجھ سے ذکر کیا کہ ایک بڑے پیچیدہ اور مشکل مسل پر جب وہ اپیل
کے طور پر جوڈیشنل کمشنر صاحب کے پاس آئی تو انہوں نے اپنے
نوٹ میں لکھا کہ مولوی صاحب عدالتہائے ماتحت کے لئے مشکل کشا
ہیں۔ جو مشکل اُن سے حل نہیں ہوتی مولوی صاحب حل کر کے صاف
کر دیتے ہیں اور مجسٹریٹوں کو فیصلہ کے لئے سہل راستہ مل جاتا ہے۔
فوجداری مقدمات میں بھی اکثر وہ اہل جرگہ مقرر ہوتے تھے اور جہاں دوسرے
قوانین پر جو اہل جرگہ ہوتے فریقین کسی نہ کسی طرح سے اثر ڈالتے حضرت
والد صاحب پر چونکہ بوجہ ان کی دیانت اور امانت کی شہرت کے کوئی اثر
اہل مقدمہ اور ان کے سفارشی نہیں ڈال سکتے تھے۔ جس کا حکام اور
عوام کو حق الیقین تھا اس لئے ان مقدمات میں بھی ان کی رائے کو بڑی وقعت
حاصل تھی۔ خانبہادر محبوب علی خاں مذکورہ صدر نے ذکر کیا کہ ایک مقدمہ میں تو صرف
حضرت والد صاحب کی شہادت پر جوڈیشنل کمشنر نے ایک مقدمہ کا فیصلہ کیا۔
ذالك فضل الله یؤتیه من یشاء والله ذو الفضل العظیم خدا تعالیٰ
کی یہی سنّت ہے کہ جس سے کوئی کام لینا ہوتا ہے اسکو تمکین اور عزّت دینے
کے عجیب در عجیب تدابیر سے کام لیتا ہے۔ حضرت یوسفؑ کے متعلق خدا
تعالیٰ وہ مصر کی وزارت عظمیٰ پر متمکن ہوئے فرماتا ہے۔ وکذالك مکنا لیوسف
فی الارض اور پھر اپنی سنت کا ذکر ان الفاظ میں فرماتا ہے جو یوسف سے کیا ایسا
ہوتا ہے گا۔ نصیب برحمتنا من نشاء ولا نضیع اجر المحسنین ؛

صبر اور استغناء

چیف کمشنر صاحب نے والد صاحب کو کہا کہ وہ انکو اے سی مقرر کرنا چاہتے ہیں تو والد صاحب نے کہا کہ میرے لئے میری موجودہ ملازمت اور آمدنی کافی ہے۔ چیف کمشنر صاحب نے کہا کہ آپ کثیر العیال شخص ہیں، ای اے سی کی حالت میں فائدے میں رہیں گے۔ والد صاحب نے فرمایا کہ اس صورت میں مجھے ہر دو تین سال کے بعد کوچیوں کی طرح ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا ہوگا اور عیال اور بچے ساتھ دربدر ہونگے جسمیں بہ نسبت کچھ مالی فائدہ کے انکی تعلیم میں نقصان زیادہ ہوگا۔ اسلئے ای اے سی کی اسامی منظور نہ فرمائی۔ ان دنوں پشاور میں کسی سکول کیساتھ بورڈنگ تھا اور نہ لڑکوں کی ایسی عمر تھی کہ انکو داخل کرا سکتے اور نہ ریذیڈنشل سکولوں کا رواج تھا۔

انہی ایام میں پنجاب میں مربعہ جات کی تقسیم صاحب اثر و رسوخ خوانین اور سرکردہ ملازمین میں جنہوں نے امتیازی خدمات کی ہوں کی جا رہی تھی۔ چیف کمشنر صاحب نے والد صاحب کو (۱۰) دس مربعہ جات دینے کئے تو انہوں نے اس وجہ سے انکار کر دیا کہ ان دنوں قاعدہ یہ تھا کہ ایسے مربعہ جات جنکو دیئے جاتے انکی اولاد میں سے صرف سب سے بڑے لڑکے کو ہی منتقل ہو سکتے تھے۔ والد صاحب نے فرمایا کہ یہ شریعت اسلام کے خلاف ہے اسلئے وہ اس شرط پہ لینے کیلئے تیار نہیں۔ شروع میں یہی شرط تھی لیکن اغلباً کچھ مدت کے بعد یہ شرط اڑا دی گئی یا اس میں ترمیم ہوئی۔

جب آپکا انتخاب بطور ریزیڈنش ایجنٹ قندھار ہوا اور آپ کوئٹہ گئے جہاں تین ماہ کے انتظار کے بعد آپکو گورنمنٹ کی طرف سے اطلاع پہنچی کہ امیر افغانستان نے آپکے تقرر سے اتفاق نہیں کیا اس بنا پر کہ آپکے سسرال والے عزیز اقربا قندھار میں ہیں اور آپ واپس پشاور تشریف لائے تو بڑی مدت تک بیکار رہے اور کسی افسر سے نہ ملے کہ آپ نے مجھے بھیجا تھا اور مجھے واپس آنا پڑا مجھے کوئی جگہ دی جاوے اور یہاں تک تنگی سے گذارہ کیا کہ .... گھر میں

جو زیورات وغیرہ قیمتی سامان تھا فروخت کرکر کے گذارہ کرتے رہے لیکن کسی کے دروازہ پر بطور رسائل نہ گئے یہاں تک کہ جیسا بیان گذر چکا ہے کمشنر صاحب کو جب شہزادہ محمد ابراہیم صاحب کی زبانی معلوم ہوا اور شہزادہ صاحب نے بتایا کہ انہوں نے عرضی بھی نہیں دینی ہے تو کمشنر صاحب نے آپ کی درخواست کے بغیر بطور رسیب رجسٹرار آپ کے تقرر کا حکم صادر فرمادیا۔

جب تعلیم سے فارغ ہوکر مجھے سلسلۂ ملازمت میں جانا پڑا تو حضرت والد بزرگوار نے مجھے ایک چند فقروں کا ہدایت نامہ لکھکر دیا جس پر زندگی اور ملازمت پر عمل درآمد کیا جانا ہے۔ سب سے پہلا فقرہ اس ہدایت نامہ کا یہ تھا:۔

"کہ کسی سے کبھی کچھ نہ مانگنا سب کچھ
خدا سے مانگنا اور مجھے جو ملا ہے وہ
خدا نے دیا ہے"

اس پر عمل درآمد کے طور پر میں نے کبھی کسی ملازمت کے لئے عرضی تک نہیں دی۔ خدا تعالےٰ نے خود ہی سبب بنایا اور بڑھاتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ جبکہ میری میعاد ملازمت پوری ہوگئی تو مجھے پولیٹیکل ایجنٹ صاحب کرم نے کہا کہ توسیع میعاد ملازمت کے لئے درخواست دے دیں تو میں نے یہی جواب دیا کہ توسیع کمشنر صاحب نے کرنی ہے اور اگر آپ مجھے ٹھہرانا چاہتے ہیں تو خود کمشنر صاحب سے ذکر

کریں میری میعاد تو پوری ہو گئی ہے اگر چند سال اور بھی کروں تو پنشن میں تو بھی فائدہ نہ ہوگا چنانچہ کمشنر صاحب جب دورہ پہ آئے تو واللہ اعلم کس مصلحت سے پولیٹیکل ایجنٹ صاحب نے چند سرکردہ ملکان کرم کو اشارہ کیا اور انہوں نے کمشنر صاحب سے سفارش کی تو کمشنر صاحب نے مجھے پوچھا تو میں نے ان کو وہی جواب دیا جو پولیٹیکل ایجنٹ صاحب کو دیا تھا۔ چنانچہ میں پنشن پہ آ گیا اور مجھے پنشن پہ آئے ابھی مہینہ بھی نہ ہوا تھا کہ ڈیفنس ڈیپارٹمنٹ کے شعبہ سنسر میں مجھے بلا میری درخواست کے کسی اور کے تذکرہ سے شعبہ سنسر پشاور کے افسر اعلیٰ کرنل صاحب نے ملاقات کے لئے بلایا اور بعد ملاقات مجھے ملازمت پیش کر دی، اگرچہ اس عہدہ کی تنخواہ معقول تھی لیکن گزیٹڈ افسر کا عہدہ نہ تھا تو میں سوچنے لگا تو کرنل صاحب نے فوراً خود ہی کہہ دیا کہ آپ کو چند ماہ کے بعد گزیٹڈ عہدہ دیا جائے گا کیونکہ فعلاً فوری طور پہ جگہ خالی نہیں اور منظوری بھی دہلی کے ڈائرکٹر اعلیٰ نے دینی ہے تو میں نے منظور کر لی چنانچہ حسب وعدہ چند ماہ کے بعد گزیٹڈ افسر کا عہدہ دیا گیا ستمبر ۱۹۴۵ء جنگ کے ختم ہونے پر سنسر کا شعبہ اڑا دیا گیا لیکن مزید تین ماہ کیلئے مجھے اور ایک اور افسر کو توسیع دیدی گئی، اور باقی سٹاف تخفیف میں آیا اس تین ماہ میں ہم نے ضروری سامان اور ریکارڈ دہلی بھجوایا اور باقی ضائع کر دیا۔

نڈر اور آزادانہ طور پر اپنی رائے کا اظہار

مومنانہ شان کا ایک واقعہ

فرنٹیئر کرائم ریگولیشن (صوبہ سرحد کے جرائم کا قانون) کے تنسیخ کا مطالبہ جب زوروں پر تھا گورنمنٹ آف انڈیا نے اس کے متعلق رائے عامہ کے معلوم کرنے اور اس کی تائید اور تردید کے دلائل پر غور و خوض کرنے کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی جس کے صدر الٰہ آباد ہائی کورٹ کے چیف جسٹس سر سلیمان تھے۔ جن مختلف وکلاء خوانین و ملازمین کی شہادت لینی تھی ان میں والد صاحب بزرگوار بھی تھے۔ انہوں نے اپنی شہادت میں صاف صاف الفاظ میں کہا کہ یہ قانون منسوخ ہونا چاہیئے کیونکہ اس کا فائدہ اتنا نہیں جس قدر نقصان ہے۔ جن لوگوں کو قانونی عدالت میں سزا دینے کے لئے کافی شہادت اور مواد نہیں ہوتا اس قانون کے ماتحت سپرد جرگہ کیا جاتا ہے۔ قطع نظر اس امر کے کہ ایسا کرنا خود کا ملاً قرین عدل و انصاف نہیں۔ اہل جرگہ اکثر بڑی بڑی رقوم بطور رشوت لیتے ہیں اور جس کی رقم بڑی ہوتی یا سفارش اور رسوخ زیادہ ہوا اس کے حق میں فیصلہ کیا جاتا ہے۔ چیف جسٹس کے سوال پر کہ کیا یہ امر حکام کے نوٹس میں آیا یا لایا گیا ہے والد صاحب بزرگوار نے کہا کہ وہ خود ڈپٹی کمشنر صاحب کے نوٹس میں یہ امر لاتے رہے ہیں ڈپٹی کمشنر صاحب نے کہا کہ جب ان کے سپرد ایک کام ہوتا ہے تو ان کا مٹانا محال ہے۔

سر سلیمان نے کہا کہ کیا آپ ایسے خائن اہل جرگہ کے نام بتا سکتے ہیں؟ انہوں نے جواب میں کہا کہ مجھے اگر فہرست دی جاوے تو ان کے ناموں پر نشان کر سکتا ہوں برملا ان کے نام لینا مناسب نہیں۔ اور اخلاقِ اسلامی کے منافی ہے۔ سر سلیمان نے کہا کہ آپ کو خان بہادر کا خطاب دیا گیا ہے انہوں نے جواب میں کہا کہ میں نے تو کوئی درخواست نہیں کی تھی سرکار نے خود عزت افزائی فرمائی ہے۔ سر سلیمان نے آخر میں پوچھا کہ کیا آپ احمدی ہیں تو والد صاحب نے جواباً کہا کہ اس امر کا اس مسئلہ زیر بحث و تحقیق سے کیا واسطہ ہے۔ چیف جسٹس سر سلیمان نے کہا کہ ایسی دلیری اور صداقت سے مسئلہ زیر تحقیق کے متعلق شہادت اور رائے دینی صرف اسی جماعت کے لوگوں کا کام ہے۔ اور لوگ ایسی جرأت سے اظہار مافی الضمیر نہیں کر سکتے۔ چنانچہ برادرم دلاور خاں صاحب جو عجائب خانہ پشاور کے کیوریٹر (ناظم) تھے اور اسی بلڈنگ میں اپنے دفتر کے کمرہ میں تھے۔ ان کو بتا کر خان بہادر قلی خان مرحوم نے جو صوبہ سرحد کے چیدہ اور مشہور افسران پولٹیکل ڈیپارٹمنٹ میں سے تھے بتایا کہ مولوی صاحب نے ایسی شہادت دی ہے کہ حکام اور سب انگشت بدنداں ہیں (اس کمیٹی کا اجلاس عجائب خانہ کے ہال میں ہو رہا تھا) دلاور خاں نے کہا خان بہادر صاحب آپ بھی ایسی شہادت دے سکتے تھے اگر آپ کے مافی الضمیر میں یہی تھا تو خان بہادر صاحب نے کہا کہ مولوی صاحب اور صرف وہی کر سکتے ہیں دوسرا کوئی شخص ملازم

یا غیر ملازم نہیں کہ سکتا ہے۔ ان کی زندگی ایسی بے لوث ہے کہ انکی طرف انگلی نہیں اٹھ سکتی ہے۔

خان بہادر صاحب احمدی نہ تھے لیکن حضرت والد صاحب کی زندگی کا ان پر ایسا اثر تھا کہ وہ اشاعت اسلام کے لئے اکثر چندہ دیتے تھے اور اگر ہماری جماعت کے سیکرٹری سے تساہل ہو تو کہتے میاں آپ مجھے یاد دلانے میں سستی نہ کیا کریں۔

حضرت والد صاحب اور احمدیت

جوانی ہی میں حضرت والد صاحب زہد و تقوےٰ کے لئے مشہور تھے اور ان کے قرآن اور حدیث کے درس سے بڑے بڑے لوگ مستفیض ہوتے تھے۔ اور ان کے شاگردوں میں سے بعض بڑے بڑے عہدوں اور قابلِ اعتماد مناصب پر مامور اور فائز ہوئے۔ جن میں سے صوبہ سرحد میں سر صاحبزادہ عبدالقیوم صاحب اور صوبہ بلوچستان میں سر شمس شاہ صاحب تھے جو صوبہ سرحد ہی سے تعینات ہو کر بلوچستان کو گئے تھے۔ ان اور ان کے علاوہ دیگر شاگردوں کو حضرت والد صاحب بزرگوار سے بڑا انس تھا اور حد درجہ عزت کرتے تھے۔ اور ہر تکلیف اور بیماری کے وقت ان کو دعا کے لئے لکھتے تھے جن کی دعاؤں کی قبولیت کا ان کو تجربہ ہو چکا تھا۔ آپ کے تیسرے مشہور شاگرد خانبہادر غلام صمدانی خاں صاحب تھے جو اپنی دیانت کے لئے مشہور اور بڑے ہر دل عزیز افسر تھے۔ سر عبدالقیوم بطور پولیٹیکل ایجنٹ ریٹائر ہوئے اور بعد صوبہ سرحد کے اولین وزیر اعظم ہوئے۔ سر میر شمس شاہ صاحب بھی بطور پولیٹیکل ایجنٹ ریٹائر ہوئے۔ خان بہادر غلام صمدانی خاں کی زندگی کا کام ان مہاجرین کی آباد کاری تھی جو خلافت کی تحریک میں سیاسی اداکاروں کے تخیلات کے سیلاب میں بہہ گئے تھے اور گھر بار چھوڑ چھاڑ افغانستان ہجرت کر کے چلے گئے اور بہت جلد خوار اور خستہ حالت میں سب کچھ ضائع کر کے واپس وطن

پہنچے تھے ان کو اپنے دیہات میں آباد کیا گیا اور ان کی گروی یا فروخت کردہ املاک واپس دلائی گئی۔ جیسا کہ میں شروع میں ذکر کر چکا ہوں حضرت والد صاحب کے گھر سے نکلنے کی خدائی تدبیر تھی اللہ لطیف لعبادہٖ کیونکہ جب انہوں نے نارمل پاس کر لیا اور ہمارے نانا صاحب نے جو اُن کی لیاقت اور زہد و تقوے سے متاثر ہوئے اور بعدہ اپنی خواہرزادی کی اُن سے شادی کر دی۔ نانا صاحب (مرزا محمد اسمٰعیل صاحب) خود بڑے پایہ کے صوفی اور بزرگ تھے اور حضرت عیسےٰ کی بابت جب بھی گفتگو کرتے وہ بموجب مذہب اکابر صوفیا یہی فرماتے کہ حضرت عیسےٰ فوت ہو گئے ہیں اور جب حضرت والد صاحب صرفی نحوی بحث فرماتے تو نانا صاحب یہی فرماتے کہ آپ وہ معنی کرتے ہیں جو عقل اور قرآن کریم میں خدا تعالےٰ کے اپنے مقررہ قانون مذکورہ کے خلاف ہے وہ معنی کیوں نہیں فرماتے جو عقل اور قانون الٰہی کے منافی نہیں۔ بھلا ایک کھانے پینے کا محتاج بشر دو ہزار سال سے زندہ آسمان پر بیٹھا ہے کہ کیا خدا تعالیٰ دوسرا مسیح پیدا کرنے سے عاجز ہے۔ نانا صاحب ایبٹ آباد ہزارہ صوبہ سرحد میں ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس تھے ان دنوں حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی سب سے پہلی معرکتہ الآرا تصنیف براہین احمدیہ نکلی جو انہوں نے بھی منگوائی۔ کتاب کے مطالعہ کے بعد وہ کتاب انہوں نے حضرت والد صاحب کو دی کہ پڑھیں اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اس شخص کی تحریر

مسیح کی تحریریں ملتی ہے اور بہت ملتی ہے اور کہ مصنف کتاب
بڑے پایہ کا ولی اللہ ہے اور ضرور وہ عنقریب کوئی دعویٰ کریگا
کیونکہ کو ٹھہ صوابی علاقہ مردان کے بزرگ صاحبزادہ عبدالودود نے
فرمایا کہ مہدی ظاہر ہو گیا ہے۔ وہ عنقریب دعوے کرے گا اور
اس کی زبان پنجابی ہے۔ حضرت والد صاحب۔ جناب حضرت مرزا
غلام احمد صاحب کو ملنے گئے جنہوں نے ان کا ذکر اپنی کتاب آئینہ
کمالات اسلام میں کیا ہے جو ۱۸۹۳ء میں شائع ہوئی جس میں وہ
فرماتے ہیں کہ جبکہ میں مامور کیا گیا تو میں دعا کرتا رہا کہ مولا میں تو اکیلا
ایک شخص ہوں میرے مددگار کون ہوں گے یہاں تک کہ خدا تعالیٰ
نے مجھے مخلص دوست اور مددگار عطا فرمائے جن میں مخلص ترین
شخصیت کا انسان نورالدین ہے (حکیم مولوی نورالدین صاحب
بھیروی) پھر جن احباء کے نام دیئے ہیں ان میں حضرت والد صاحب
بزرگوار کا بھی نام ہے اور لکھتے ہیں من احبائی فی اللہ۔ منشی
زین الدین محمد ابراہیم بمبئی۔ مولوی غلام امام منی پوری اور حبی فی اللہ مولوی
غلام حسن پشاوری وغیرہ وغیرہ۔ اور ۱۸۹۲ء میں جو قادیان میں ایام
کرسمس کی تعطیلات میں ماہ دسمبر میں سب سے پہلا اجتماع ہوا ان
میں ان لوگوں کے نام ہیں جو شامل ہوئے تھے اور جنہوں نے ماہوار
چندہ دینا شروع کیا تھا۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے ۱۸۸۲ء
میں دعوے مجددیت کیا تھا اور والد صاحب اس کے بعد ان کو

ملنے کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ اور ۱۸۸۹ء میں بیعت سے مشرف ہوئے۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے ۱۸۸۲ء میں دعوئے مجددیت کیا اور جو سابقین الاوّلین ملنے گئے اور انہوں نے بیعت کی خواہش کی تو حضرت مرزا صاحب نے یہ جواب دیا کہ ہمیں ابھی بیعت لینے کا حکم نہیں ہوا ہے اور جب تک ہمیں بیعت لینے کا حکم نہ دیا جاوے ہم خود بیعت لینے کے لئے ابتدا نہیں کر سکتے۔ چنانچہ حضرت مرزا صاحب نے ۱۲/۱/۱۸۸۹ کو بذریعہ اشتہار اعلان کیا کہ انہیں اب بیعت لینے کا حکم دیا گیا ہے اس لئے اکثر سابقین الاوّلین نے ۱۸۸۹ء میں ہی بیعت کر لی تھی اور اغلباً حضرت والد صاحب بزرگوار نے بھی اسی سال بیعت کی یقینی طور پر تاریخ معلوم نہیں۔ ۱۸۸۹ء کے بعد حضرت مرزا صاحب کی پہلی تصنیف آئینہ کمالات اسلام سال ۱۸۹۳ء میں شائع ہوئی جس میں سابقین الاوّلین احباء (دوستوں) کے ذکر میں حضرت والد صاحب کا بھی ذکر فرمایا جیسے اُوپر ذکر ہو چکا ہے۔ بعد ازاں دوسری کتاب ازالہ اوہام میں جو ۱۹۰۲ء میں شائع ہوئی حضرت والد صاحب بزرگوار کا بدیں الفاظ ذکر فرماتے ہیں:۔

"اس وقت لودیانہ میں میرے پاس موجود ہیں محض ملاقات کی غرض سے پشاور سے تشریف لاتے ہیں۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ وہ وفادار اور مخلص ہیں اور لا یخافون

لومۃ لائم میں داخل ہیں"

(قرآن شریف میں یہ الفاظ ان لوگوں کے لئے استعمال ہوئے ہیں جو اسلام لانے میں اقرباء۔ دوستوں اور قوم کی ملامت کی پرواہ خدا کی راہ میں نہیں کرتے تھے)

"جو شخص ہمدردی کی راہ میں عطا یا مدار چندہ دیتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ وہ بہت جلد الٰہی راہوں اور دینی معارف میں ترقی کریں گے کیونکہ فطرت نورانی رکھتے ہیں"

اور ستمبر ۱۹۰۲ء میں اپنی شام اور عشاء کے درمیان کی روزانہ مجلس میں اس طرح ذکر فرماتے ہیں، جو اخبار الحکم وغیرہ میں درج اور بعدہ ملفوظات حصہ پنجم کے صفحہ ۲۶۲ پر چھپا ہے:۔

"ہفتہ مختتمہ ستمبر ۱۹۰۲ء۔ مولانا غلام حسن صاحب سب رجسٹرار پشاور سے تشریف لائے تو عند الملاقات حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا:۔ خدا کا شکر ہے کہ مولوی صاحب باوجود ہمارے سلسلہ میں شامل ہونے کے ہر دل عزیز ہیں اس پر مولوی عبد الکریم صاحب نے عرض کی کہ حضور تقوٰے اور رزق حلال ایسی چیزیں ہیں کہ انسان کو معزز بنا دیتی ہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ حقیقت میں تقوٰے ہی ایک ایسی چیز ہے جس سے انسان کا اکرام ملتا ہے"

بدر کی جنگ میں رسول اللہؐ کے ساتھ ۳۱۳ صحابی تھے۔ جبکہ

مسلمانوں کے پاس نہ کافی اسلحہ تھا نہ زرہ بکتر و خود وغیرہ اور ان کے مقابلہ میں کفار مکہ کا ایک ہزار جنگجو و جنگ آزمودہ لشکر سارے کے سارے خوب مسلح ابو جہل کی قیادت میں مدینہ پر چڑھ کر آیا لیکن قدرت اور نصرت الٰہی سے نصرت مسلمانوں کو ہوئی اور یہ معجزانہ فتح کی پیشگوئی تورات میں موجود تھی۔ اسی لئے خداتعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے ولقد نصرکم اللہ ببدر و انتم اذلۃ ۔ خدا کی قدرت یہ مقام جنگ بدر ٹھہرا اور چودھویں رات کو بھی بدر کہتے ہیں اور چودھویں صدی دوسرا زمانہ ہے جس میں دنیا بھر کے مسلمان مغلوبانہ اور ذلت کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور کفار اور نصرانیت کا غلبہ عظیم ہے اس لئے دوسرے بدر یعنی چودھویں صدی میں رسول کریم کا خلیفہ مسیح موعود عیسائیت کے غلبہ کو مٹانے کے لئے ظاہر ہوا۔ انہوں نے بھی اپنے اولین تابعداروں کی ۳۱۳ اشخاص کی فہرست دی ہے۔ اس میں بھی حضرت والد صاحب بزرگوار بھی شامل ہیں۔ اسی لئے قرآن شریف میں فرمایا ان مع العسر یسراً ان مع العسر یسراً ۔ دوسرے دفعہ ذلت کے زمانہ کے بعد پھر مسلمانوں کو عزت اور غلبہ حاصل ہوگا۔ وہ دوسرا دفعہ ہی ہمارا زمانہ ہے ۔ اور ان سب تعریفوں کے بعد جو ان کے اعلےٰ رتبہ کو ظاہر کرتی ہیں۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ جیسے حضرت مسیح ناصری کے مریدوں سے مخلص ترین متبعین کو حواری کا خطاب دیا گیا اور ان کے ۱۲ حواری تھے اسی طرح حضرت مسیح موعود

نے اپنی ساری جماعت متبعین میں جو ہزاروں مرزا تھی (۱۲) اشخاص کو حواری کا خطاب دیا ہے اور ان بارہ حواریوں میں ایک ہمارے والد بزرگوار بھی تھے۔

احمدیت کے راستہ میں حضرت والد صاحب کو بڑی بڑی تکلیفیں بھی پہنچی ہیں۔ ان کو ان دوستوں کے گھر سے جو اول میں بظاہر احمدی تھے خوراک میں زہر دیا گیا لیکن خدا تعالےٰ کے فضل سے ہلاکت سے بچ گئے۔ ان میں دین کے لئے کمال غیرت تھی۔ ایک دفعہ انجمن حمایت اسلام کا جلسہ آپ کے مقررہ بالاخانہ میں تھا جو ان دنوں بازار قصّہ خوانی میں تھا۔ پنجاب سے ایک مولوی صاحب تشریف لائے ہوئے تھے دوران گفتگو میں ان سے نازیبا الفاظ حضرت مرزا صاحب کے متعلق استعمال کئے تو حضرت والد صاحب نے اُٹھ کر اسکو معہ اس کرسی کے جس پر وہ بیٹھا ہوا تھا اُٹھا کر بالاخانہ سے باہر پھینکنے لگے۔ وہ بازار میں گرنے سے بچ گیا کیونکہ فوراً بعض ممبران مجلس نے کرسی پکڑ لی جس کے بعد سب نے اس مولوی کو ملامت کی اس نے نازیبا حرکت کی تھی۔ حضرت والد صاحب کے دو معرکتہ الآراء مباحثے بھی ہوئے، ایک عیسائیوں سے جو انجمن حمایت اسلام کی طرف سے ہوا تھا اور جس کی روئداد بعدہ انجمن نے چھاپ کر شائع بھی کر دی تھی لیکن افسوس ہے اس کی کوئی کاپی دستیاب نہیں ہو سکی۔ دوسرا مباحثہ جامع مسجد پشاور کے خطیب سے یا یوں کہو کہ پشاور کے خطیب اعظم مسمی تیراہی ملا صاحب تحریری مباحثہ ہوا۔ یہ مباحثہ

ہوا۔ یہ مباحثہ زیر صدارت شہزادہ محمد ابراہیم صاحب اسسٹنٹ پولیٹیکل
ایجنٹ ہوا جو خود اس مباحثہ کے محرک بھی تھے اور جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند
پرچوں کے بعد ملا صاحب نے راہ فرار اختیار کی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ
شہزادہ صاحب پر احمدیت کی صداقت واضح ہو گئی اور پہلے سے بڑھ
چڑھ کر ان کو والد صاحب بزرگوار سے انس ہو گیا اور ان کے دل میں ان
کی قدر اور منزلت اور بڑھ گئی۔ یہاں تک کہ جب حضرت مرزا صاحب
کا لاہور میں انتقال ہوا تو شہزادہ صاحب جو پنشن لیکر لاہور میں متوطن
ہو گئے تھے کیونکہ لاہور کے قریب ابراہیم آباد میں ان کی جاگیر تھی تو
بڑھاپے کے باوجود وہ حضرت مرزا صاحب کے جنازہ کے ساتھ
لاہور سے قادیان تک گئے۔ شہزادہ صاحب کے پوتے شہزادہ عالمگیر
صاحب آج کل ۱۹۵۶ء/۱۹۵۷ء میں لاہور کے ڈپٹی کمشنر ہیں۔

خدا کی شان ہے کہ شروع ملازمت میں والد صاحب بزرگوار
نے سکونتی مکان کے سامنے دو چھوٹے چھوٹے مکانوں کو خرید کر
سامنے کے حصہ میں ملنے والوں اور معزز مہمانوں کے لئے ایک دالان
بڑا کمرہ اور پچھلے حصہ میں دو چھوٹے کمرے تعمیر کرائے۔ جو ملازموں
اور بعض دیہاتیوں کے کام آتے تھے۔ باقی خالی زمین دونوں حصوں
کے لئے علیحدہ علیحدہ صحن کا کام دیتی تھی۔ بڑے دالان میں نماز مغرب
اور عشا کے درمیان درس قرآن مجید اور درس حدیث شریف دیتے
تھے۔ اور بعدہٗ ایسا زمانہ آیا کہ احمدیوں سے جو شامل درس ہوتے اور

اور شہر کے دُور دُور حصّوں سے آتے دالان بھر جاتا۔ اور پھر جب مجمع بڑھ گیا تو محلّہ اور قریب کے احباب نماز فجر میں بھی شامل ہونے لگے غرض یہ احمدیت کے لئے خدائی سامان تھے اور شانِ ایزدی کہ یہی مکان جو احمدیوں کے لئے مرکز تھا اور جہاں وہ نمازوں میں شامل ہوتے اور درس قرآن مجید اور حدیث شریف میں شریک ہوتے اس کو خداوند عالمین نے یہ شرف بخشا کہ حضرت والد صاحب کی عمر کے آخری چند سالوں میں اور بعدہ یہ مکان مسجد کی شکل میں منتقل ہوا اور جیسے حضرت والد صاحب کے زمانہ میں یہاں درس قرآن مجید ہوتا اور نمازوں اور نماز جمعہ ادا ہوتا تھا اب بھی ہو رہا ہے۔ اور یہ گھران گھروں میں شامل ہوا جن کو خدا تعالےٰ یہ شرف عطا فرماتا ہے۔ وفی بیوتٍ اذن اللہ ان ترفع ویذکر فیھا اسمہ یسبح لہ فیھا بالغدو والاٰصال۔ اور وہ غریب الطبع اور حضرت مرزا صاحب کے ابتدائی مُریدین میں سے تھے جو شروع میں احمدیت میں داخل ہوئے یہ ان لوگوں کے مثیل تھے جن کی بابت خدا تعالیٰ فرماتا ہے رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ یخافون یوماً تتقلب فیہ القلوب والابصار ۱۹۵۸-۵۹ میں یہ مکان عالیشان سہ منزلہ مسجد میں تبدیل ہو گیا۔ ہم اس خیال کے تھے کہ اس کام کے لئے کافی روپیہ چاہیئے اور جب تک روپیہ جمع نہ ہو کام شروع نہ کیا جاوے لیکن ۱۹۵۸ء میں ڈاکٹر عبدالعزیز

صاحب پنشنر سول سرجن صاحب نے بغیر کافی رقم جمع ہوئے یہ کام شروع کر دیا۔ جو کام خدا کو منظور ہوتا ہے وہ ہو جاتا ہے جو حقیقی شکریہ کے لائق ہے لیکن ڈاکٹر صاحب کی مساعی بھی قابل تحسین اور تشکر ہیں کہ انہوں نے بسم اللہ کر کے قدم اٹھایا اور سب بھائی اس کار خیر میں انکے معاون اور ممد ہوئے اور مولا نے رحیم و کریم نے ان کی مساعی حسنہ کو مثمر فرمایا اور مکان ایک خوبصورت سہ منزلہ مسجد کی صورت میں تبدیل ہو گیا۔ جو خدا کے فضل کا ایک نشان ہے۔

پشاور میں جہاں حضرت والد صاحب کے وجود نے احمدیت کے لئے سنگ بنیاد کا کام دیا۔ ان کا مکان علم کا ایک مرکز اور پنجاب اور افغانستان کے درمیان احمدیت کا ایک بڑا جنکشن بن گیا۔ جیسے خدا تعالے نے سورۃ یوسف میں حضرت یوسف کی صفت اور مدح میں فرماتا ہے۔ وانا خیر المنزلین۔ کہ میں ایک اچھا مہمان نواز بھی ہوں خدا تعالے نے حضرت والد صاحب کو بھی اپنے فضل اور رحمت سے جہاں غیر وطن میں ان کو تسکین عطا فرمائی تھی وہاں ان کو خیر المنزلین ہونے کا بھی شرف اور عزت عطا فرمائی تھی۔ ان کا دستر خوان خوانِ ابراہیمی تھا مسافر اور غیر مسافر ان کے دستر خوان پر موجود ہوتے تھے گویا ایک چھوٹا سا لنگر خانہ تھا۔ وہ اپنے زہد اور تقوے کیلئے اس قدر مشہور تھے کہ سرکاری کتاب (WHO IS WHO) جس میں درباریوں اور قابل ذکر معززین کے متعلق مختصر کیفیت دی ہوئی

ہوتی ہے اور جو سرکاری حکام اعلےٰ کے لئے لوگوں کے تعارف نامہ کا کام دیتا ہے۔ جب تک وہ خود ان کے واقف ہو جاویں۔ ضلع پشاور کے ہُوراز ہُو (ترجمہ:- کون کیا ہے) میں حضرت والد صاحب کے حال میں دیگر حالات ضروریہ کے علاوہ یہ بھی تھا:-

He is chief aciple of Mirza Gulam Ahmad & is famous for his integrity

یہ صوبہ میں مرزا غلام احمد صاحب کا سب سے بڑا صحابی اور ہے اور دیانت اور تقوےٰ کے لئے شہرت رکھتا ہے۔

ان کے درس و تدریس کے سلسلہ کے علاوہ ان کی ذاتی صفات زہد اور تقوےٰ بڑی جاذب تھیں اور ان کا خلق اور اعلےٰ درجہ کا زہد و تقویٰ ہی کے اثر سے صوبہ سرحد میں احمدیت پھلی اور پھولی فمارحمۃ من اللہ لنت لھم یہ خدا کا فضل تھا کہ وہ اس قدر خلیق تھے کہ ان کی مجلس میں ایک جذب تھا۔ خدا تعالےٰ جیسے اس کی سنت ہے جن لوگوں پر اپنی خاص رحمت اور فضل سے نوازش فرماتا ہے اور وطن سے بے وطن کر کے تمکین عطا فرماتا ہے اس میں حقیقتاً کوئی خاص غرض و غایت نہیں ہوتی۔ مگر دینی اور روحانی غرض ہوتی ہے جیسے حضرت یوسف کے ذریعہ بنی اسرائیل کو مصر پہنچایا۔ اس زمین کو نور نبوت سے منور کرنا مقصود تھا اور بنی اسرائیل کی حالت ایسی ہو گئی کہ اذا ھلک

یوسف قلتم لن یبعث اللّٰہ من بعدہٖ رسولاً تو دوسرے نبی کے ذریعہ ان کو مصر سے نکالا اور سلسلہ نبوت ان میں جاری کیا۔ غرض ایسے واقعات میں مشیت ایزدی کی کوئی روحانی غرض ہوتی ہے نہ کہ دنیاوی جس کے لئے تمکین فی الارض کی بھی ضرورت ہو تو عطا فرماتا ہے۔

اسی سنت الٰہیہ کے ماتحت ہمارے والد بزرگوار کو اپنے وطن سے بے وطن کر کے صوبہ سرحد میں تمکین دینے کی غرض یہ تھی کہ ان سے بطور مسیح موعود کے معاون اور مددگار کے کام لیا جائے اور ان کا علم و فضل اور صالحانہ اور متقیانہ نمونہ تھا جس کی وجہ سے احمدیت کی جڑیں صوبہ سرحد میں مضبوطی سے قائم ہو گئیں اور ان کے ذریعہ افغانستان میں تخم ریزی ہوئی جس کی آبپاشی افغانستان میں حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہید کے ذریعہ سے ہوئی اور حضرت والد صاحب بزرگوار کی مساعی اور اخلاص کو اللہ تعالےٰ نے ایسا نوازا کہ ان کو حضرت مسیح موعود کے بارہ حواریوں میں سے ایک ہونے کا فخر اور عزت بخشی۔ ذالک فضل اللّٰہ۔ ان ربی ذو رحمۃ واسعۃ و ذو مغفرۃٍ و ذو فضلٍ عظیم۔ حضرت والد صاحب حافظ قرآن بھی تھے۔ آپ نے ان دنوں قرآن کریم حفظ کیا جبکہ آپ بورڈ سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ حفاظ تو بہت ہوتے ہیں لیکن حضرت والد صاحب میں ایک خاص خصوصیت تھی وہ یہ کہ

آپ تمام نمازوں - اور بالخصوص تہجد کی نماز میں قرآن شریف کا دَور جاری رکھتے تھے - جب شروع کرتے تو باقاعدہ نمازوں میں تسلسل جاری رکھتے یہاں تک کہ ختم کر کے پھر شروع کرتے - ایک دفعہ فرمایا کہ ہزاروں دفعہ قرآن شریف ختم کیا ہے - اتنا مجھے یاد نہیں کہ ٹھیک بتا سکوں کہ کتنی دفعہ ختم کیا ہے - ہمارے ایک عابد اور نیک احمدی بھائی تھے - جن کا نام غلام رسول تھا اور جن کو ہم بھائی غلام رسول کہتے تھے (حضرت مرزا صاحب کے زمانہ ماموریت میں احمدیوں کے اندر اس قدر اُلفت تھی کہ پنجاب کا کوئی احمدی اگر پشاور میں متوطن ہوتا یا ملازمت کے سلسلہ میں سکونت اختیار کرتا تو اُن کے نام سے پہلے ہم بھائی ضرور استعمال کرتے جیسے بھائی غلام رسول صاحب اور بھائی فضل کریم صاحب - اوّل الذکر چیف کمشنر کے دفتر کے میر منشی کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے اور موخر الذکر ضلع ہزارہ کے ڈپٹی کمشنر کے دفتر کے سپرنٹنڈنٹ ہو کر ریٹائر ہوئے - ان دونوں کی اولاد بھی اس صوبہ میں اب معزز عہدوں پر ہیں - ماموروں کے زمانہ میں اور بالخصوص زمانہ ماموریت میں ایسی الفت جماعت میں ہوتی ہے اور یہ فضل الٰہی ہوتا ہے جیسے صحابہ کے وقت ایک دوسرے کے دشمن قبائل کے لوگ جب مسلمان ہو گئے تو بھائی بھائی ہو گئے چنانچہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے - فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا - بھائی غلام رسول نے ایک دفعہ ذکر کیا کہ میں نے تہجد

میں بڑی دعائیں کیں کہ خدایا مولوی غلام حسن صاحب کا کونسا فعل تیری
نظر میں ایسا مقبول ہے کہ ان کو اتنی عزت اور ہردلعزیزی عطا
فرمائی ہے تو مجھے اشارہ ہوا کہ اُن کا قرآن مجید سے عشق اور محبت
آپ بڑے عشق اور محبت سے قرآن پڑھتے جاتے ہیں اور تقوی
کی باریک راہوں پر چلتے ہیں اس لئے ہم نے ان کو بڑے درجات
عطا فرمائے ہیں۔

قرآن کریم سے آپ کے عشق کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے
کہ آپ ۹۳ سال کی عمر میں فوت ہوئے اور قرآن شریف کا ایک
بامحاورہ زود فہم ترجمہ اور تفسیر اپنی عمر کے آخری ایام میں آپ نے
لکھی۔ جس میں یہ خصوصیت ہے کہ عام مفسرین کی طرح کسی لفظ کے
معنی کرنے میں لسان العرب۔ قاموس۔ تاج العروس۔ اقرب
منتہی الارب وغیرہ لغتوں کے حوالے نہیں دیئے ہیں اور نہ سابقہ
مفسرین کی تفسیروں سے حوالہ جات دے کر اپنی تفسیر کے حجم کو زیادہ
کیا ہے بلکہ ان سب کے مطالعہ کے بعد اپنی تحقیقات کو زود فہم اور
بامحاورہ ترجمہ اور تفسیر کی شکل دی ہے۔ مثلاً کوئی تفسیر اٹھاؤ اس میں
اللہ الصمد کا ترجمہ دیا ہے اللہ بے نیاز ہے۔ خیال آتا ہے
کہ کس چیز سے اور ترجمہ نامکمل معلوم ہوتا ہے یا حاشیوں میں مفسر تفسیر
کر کے واضح کرتے ہیں لیکن والد صاحب بزرگوار نے دو لفظ بریکٹ
میں اس طرح بڑھا کر معنی صاف کر دیئے جو ہر طالب علم کی سمجھ میں آجاوے

یعنی بے نیاز ہے (ہر حاجات سے) اس طرح بڑے بڑے مشکل مقامات کو بڑی آسانی سے ترجمہ میں چند حرف بریکٹ میں دے کر واضح کر دیا ہے۔

افغانستان میں احمدیت کی تخم ریزی

کرم کی سرحد کے کچھ حصہ پر سرحد کی حد بندی واضح طور سے نہیں ہوئی تھی جس کے لئے ہندوستان اور افغانستان کی حکومتوں نے ایک کمیشن مقرر کی۔ انگریزی کمیشن کا رئیس مسٹر اڈنی تھے اور ان کے ساتھ صاحبزادہ عبدالقیوم معاون تھے (جو بعد میں سر عبدالقیوم ہو کر صوبہ سرحد کے اولین وزیر اعظم ہوئے) اور حضرت والد صاحب کے ایک اور شاگرد عملہ کمیشن میں تھے۔ افغان کمیشن کے رئیس صاحبزادہ عبداللطیف صاحب نقشبندی سلسلہ کے ایک بڑے باکمال بزرگ اور ولی تھے اور صدہا شاگردوں اور ہزارہا مریدوں کے علاوہ کابل کے اعلیٰ طبقہ اور شاہی خاندان میں ان کی اتنی عزت تھی کہ امیر عبدالرحمان کی وفات پر امیر حبیب اللہ خاں کی دستار بندی اُن کے ہاتھوں ہوئی (یعنی بادشاہ کے سر پر تاج رکھنے کی رسم کی ادائیگی اُن کے ذریعہ ہوئی)

والد صاحب نے اپنے دوسرے شاگرد کو یعنی صاحبزادہ عبدالقیوم کے علاوہ جو دوسرا شخص تھا حضرت مسیح موعود کی کتاب آئینہ کمالات اسلام دی اور کہا کہ افغان کمیشن میں اگر کوئی اہل علم اور اہلِ ذوق شخص آپ کو ملے تو یہ کتاب ان کو تحفہ کے طور پر دے دینا۔ چنانچہ اس نے وہ کتاب صاحبزادہ عبداللطیف صاحب کو دے دی

جن کے زہد اور تقوےٰ اور فراست سے وہ بڑا متاثر ہوا۔ کچھ مدت
کے بعد صاحبزادہ صاحب امیر افغانستان کی اجازت سے ہندوستان
آئے تو براہ ٹوچی اور بنوں و داوڑ داخل پنجاب گئے۔ اور قادیان
پہنچے۔ اور ان کی معیت میں چند ان کے منتخب اور سرکردہ مرید بھی تھے
میں ان دنوں قادیان میں طالب علم تھا چونکہ صاحبزادہ صاحب کو سبز
چائے کی عادت تھی جو صوبہ سرحد اور افغانستان میں عام طور پر استعمال
ہوتی ہے لیکن پنجاب میں قطعاً اس کا رواج نہیں۔ اس لئے میں نے
سبز چائے کے برتن ان کو دیئے کہ جب تک قادیان میں مقیم ہوں استعمال
کریں۔ اور میں نے اپنے والد صاحب بزرگوار کو خبر کر دی کیونکہ صاحبزادہ
صاحب نے فرمایا کہ مجھے تمہارے والد صاحب سے ملاقات کا
بڑا شوق ہے۔ چنانچہ وہ بھی میری طرف سے اطلاع پا کر فوراً قادیان
آئے حالانکہ ان کی مصروفیت بطور سب رجسٹرار میونسپل کمشنر اور
آنریری مجسٹریٹ بہت تھی۔ ان کو نکلنے کا کم ہی موقعہ ملتا تھا۔ جس کی
وجہ سے وہ ہر سال جلسہ قادیان پر بھی نہ جا سکتے تھے لیکن غیر معمولی
طور پر وہ تشریف لائے۔ دونوں بزرگوں میں جب ملاقات ہوئی تو
صاحبزادہ عبداللطیف صاحب نے میرے والد بزرگوار کو فرمایا کہ
آپ کی بھیجی ہوئی کتاب آئینہ کمالات اسلام سے مجھے بڑا فائدہ ہوا اور
وہی کتاب میری رہنمائی کا موجب ہوئی اور میں چاہتا تھا کہ آپ سے
مل کر شکریہ ادا کروں۔ صاحبزادہ صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ جب

تک آئینہ کمالات اسلام کا مطالعہ نہیں کیا تھا میرا خیال تھا کہ امام مہدی ایک بڑے پایہ کا ملّا ہوگا۔ لیکن اس کتاب کے مطالعہ سے میں حیران ہوا کہ یہ اس قدر بلند پایہ شخصیت کی تو امید نہ تھی جیسے حضرت مرزا غلام احمد ہیں چنانچہ صاحبزادہ عبداللطیف صاحب وطن کو مراجعت کرنے کے لئے تیار ہوئے تو حضرت مرزا صاحب ڈالہ کی نہر تک جو قادیان سے تین چار میل کے فاصلہ پر ہے ان کو وداع کرنے پیدل گئے۔ انہوں نے حضرت صاحب سے فرمایا کہ اگر بادشاہ مزاحمت کرے تو کیا اس کا مقابلہ کروں میں کافی مقابلہ کر سکتا ہوں لیکن حضرت صاحب نے فرمایا اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ صاحبزادہ صاحب نے فرمایا تو افغانستان میرے خون کا اشتہار چاہتا ہے۔ چنانچہ جب وہ کابل پہنچے تو اُن پر کفر کا فتوے لگا اور انہوں نے وہ استقامت دکھائی جو خدا کے خاص برگزیدہ بندوں کا ہی کام ہے ہر چند بادشاہ جس کی دستار بندی صاحبزادہ صاحب نے کی تھی صاحبزادہ صاحب کو کہتا رہا کہ آپ یہ اعتقاد چھوڑ دیں لیکن اُن کا قدم ایک انچ بھی نہ پھسلا اور جب اُن کے ناک میں رسّی ڈال کر مقتل گاہ لے جا رہے تھے تب بھی امیر نے مکرر کہا اور جب ان کو پتھراؤ کرنے کو کمر تک زمین میں گڑھا کھود کر کھڑا کیا گیا تو بھی امیر نے مکرر درخواست کی لیکن انہوں نے فرمایا میں صداقت کو نہیں چھوڑ سکتا ہوں اور خدا کی راہ میں مَیں پہلا شخص نہیں جو قتل یا سنگسار کیا جائے گا۔ فی الواقعہ ان الذین قالوا

ربّنا اللہ ثمّ استقاموا تتنزّل علیھم الملائکۃ بشارات سے ایسے لوگوں پر نزول ملائکہ ہوتا ہے۔

صاحبزادہ صاحب کی حالت پکار پکار کر کہہ رہی تھی ؎

بہ ہجوم عشق تو مے کشند غوغائیست ❊ تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشائیست

پ بادشاہ کو کہا گیا کہ آپ پتھر پھینکنا شروع کریں تو اس نے کہا کہ ملاؤں کا سردار جنہوں نے کفر اور سنگساری کا فتوے دیا ہے شروع کرے میں نے فتوے نہیں دیا ہے۔ چنانچہ اس بدبخت نے شروع کیا اور چند منٹوں میں صاحبزادہ صاحب نے پتھروں کے ڈھیر کے نیچے جام شہادت نوش فرمایا۔ جس کے بعد کابل میں سخت ہیضہ پڑا اور بڑی مری پڑی۔ امیر حبیب اللہ اپنے خیمہ میں قتل ہوا۔ قاتل گرفتار نہیں ہوا۔ سنا جاتا ہے کہ اس کے قتل میں بڑے لوگوں کا ہاتھ تھا اور بعض اس کے بیٹے امان اللہ پر بھی شک کرتے ہیں جو باپ کے ساتھ جلال آباد نہیں تھا بلکہ کابل میں تھا اور بعدہ امان اللہ بھی بہ یک بینی و دو گوش افغانستان سے چند پہاڑی قزاقوں سے شکست کھا کر بھاگا اور خداوند تعالےٰ نے خاندان عبدالرحمان کو تخت کابل سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دیا۔ انّ ربّک لذو مغفرۃ علی الناس بظلمھم وانّ ربّک لشدید العقاب ؎

کشف القبور

صلحا اپنی توجہ سے بڑے بڑے عجائبات دیکھتے ہیں۔ حضرت مرزا صاحب جب ہوشیارپور میں مقیم ہو کر چلہ کشی کر رہے تھے تو ایک مزار پر تشریف لے گئے۔ دعا کی اور فرمایا کہ اس قبر میں مدفون بزرگ میرے سامنے دو زانو ہوا اور عبداللہ سنوری وغیرہ سے جو ان کی معیت میں تھے فرمایا کہ اگر تم لوگ ساتھ نہ ہوتے تو میں ان سے باتیں بھی کرتا اور اس کا حلیہ اپنی کتاب میں جہاں اس واقعہ کا ذکر ہے بیان کیا ہے اور جب مجاوروں سے پوچھا تو انہوں نے مدفون کا وہی حلیہ بتایا جو حضرت مرزا صاحب نے بیان فرمایا۔ اسی طرح ہمارے نانا صاحب مرزا اسمٰعیل صاحب نے بیان فرمایا کہ جب کوٹھہ کے صاحبزادہ صاحب فوت ہوئے تو وہ ان کے گاؤں فاتحہ کے لئے گئے۔ راستہ میں گاؤں کے قبرستان سے گذر ہوا تو خیال کیا عصر کا وقت ہے نماز گاؤں میں پڑھ کر فاتحہ کو آؤں گا کہ کشفی حالت طاری ہوئی اور میں نے صاحبزادہ صاحب کو دیکھا اٹھ کر بغل گیر ہوئے اور فرمایا دوست کو دوست کی ملاقات اور دعا کی زیادہ ضرورت ہے اور خدا کو آپ کی نماز کی اتنی ضرورت نہیں۔

حضرت والد بزرگوار کو بھی کشف القبور کا علم حاصل تھا۔ اور

توجہ سے بہت سی باتیں بتا سکتے تھے۔ چنانچہ اکثر مشاہدہ کیا گیا کہ
جب وہ نماز جنازہ پڑھاتے تو بعض وقت بڑی دیر تک دعا فرماتے
اور بعض وقت صرف دعائے مسنونہ پڑھکر سلام پھیر دیتے تھے
ایک دو موقعوں پہ جبکہ دو جنازے پڑھانے پڑے اور ایک کو مختصر
کیا۔ تو جب بعض احباب نے جن کی طبیعت متجسس واقع ہوئی تھی
دریافت کیا تو فرمایا کہ جس پر زیادہ وقت لگا وہ نیک بخت بندہ
تھا اور اس پر انوار کی بارش تھی اور دوسرے کی حالت اچھی نہ
تھی جس کا جنازہ مختصراً پڑھا گیا۔ اس کے علاوہ بعض کے متعلق خود
فرماتے کہ یہ شخص بڑا نیک بخت تھا۔ اسی طرح صندل خاں مرحوم
اور مرزا مدد علی مرحوم کے جنازہ پہ فرمایا کہ انوار کی بارش ان پر ہو
رہی تھی ایک دفعہ حکیم محمد یحیٰی صاحب جو خود بھی بڑے عابد اور زاہد بزرگ
تھے اور دیبگران کے رہنے والے تھے والد صاحب کو مدعو کیا جبکہ
والد صاحب ایبٹ آباد میں موسم گرما گذارنے گئے تھے۔ جناب
والد صاحب ایک احمدی دوست مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم کی معیت
میں دیبگران گئے اور قبرستان بھی گئے جہاں انہوں نے دعا کی اور دو
قبروں کی طرف اشارہ کر کے فرمانے لگے۔ یہ دونوں بزرگ بڑی اچھی حالت
میں ہیں حکیم صاحب نے کہا کہ ایک انکے والد بزرگوار کی قبر ہے اور دوسری
انکے چچا صاحب کی اور ہم نے آپ کو پہلے نہیں بتایا تاکہ معلوم ہو کہ
آپ شناخت کر سکتے ہیں کہ نہیں۔ چنانچہ آپ نے شناخت کر لیا۔

قبولیتِ دُعا اور ولایت

قبولیت دُعا کے ساتھ ولایت اس حصہ کی سُرخی میں نے کیوں قائم کی۔ یاد رہے کہ اولیاء اللہ اور زمرۂ ابرار کی پختہ نشانی یہ ہے کہ ان کی اکثر دعائیں قبول ہوتی ہیں اور قبولیت دعا کے متعلق ان کو الہام یا تفہیم یا اشارہ ہو جاتا ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ جیسے چند روپیوں کے مالک کو دولت مند نہیں کہا جاسکتا ہے اس طرح چند رویاء صادقہ سے ایک شخص بزرگ نہیں ہو جاتا جب تک کثرت سے رویاء صادقہ سے کوئی مشرف نہ ہو۔ رویائے صادقہ ایک صالح مومن کی پہلی نشانی ہے جس سے وہ آگے ترقی کرتا ہے۔ ورنہ مصر کے بادشاہ نے جو کافر تھا رؤیا اور سچا رؤیا دیکھی تھی جس کی تعبیر کوئی نہ کر سکا۔ مگر حضرت یوسف نے کی۔ کافروں اور عام لوگوں کو سچی خوابیں اور رؤیا کیوں ہوتے ہیں اس لئے کہ وہ ان صلحاء اور ماموریں کی شناخت کر سکیں جن پر اس نعمت سے خداوند تعالیٰ نوازش فرماتا ہے اس لئے ایک بزرگ اور ولی کی نشانی یہی ہے کہ اس کی اکثر دعائیں قبول ہوتی ہیں اور وہ دعا کے نتیجہ سے دعا کرنے والے کو اطلاع دیدیتے ہیں۔ انسان کی توجہ ہر چیز جذب نہیں کرسکتی ہے جب تک اس میں کمال کی چمک نہ ہو۔ اسی واسطے صالحین اور ماموریں کی یہ بھی نشانی ہے

کہ اُن کے اخلاق دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں ایسے ہوتے ہیں کہ اُن میں کمال چمک نظر آتی ہے۔

یوں تو عام دستور ہے کہ پیر سجادہ نشین و دیگر افراد جو لوگوں کی نظروں میں محترم اور خدارسیدہ معلوم دیتے ہیں ضرور نہیں کہ خدا کے ہاں بھی وہ خدارسیدہ اور محترم ہوں۔ کیونکہ جہاں اولیاء اور ابرار کی یہ نشانی ہے کہ اُن کی دعائیں قبول ہوتی ہیں، وہاں یہ بھی ضروری نشانی ہے کہ دُعا کرنے والے پر خدا کی طرف سے قبولیت دُعا بذریعہ الہام۔ کشف و رؤیا یہ ظاہر ہو جاوے کہ اس کی دُعا قبول ہوئی اور وہ دُعا کرنے والے کو نتیجہ دُعا سے خبردار کر دے۔ اور یقین دلا دے کہ یہ کام ہو جائے گا یا نہیں ورنہ اولیاء اور دیگر لوگوں میں امتیاز ہی نہ رہے۔ ہر ایک پیر اور سجادہ نشین ہاتھ اُٹھا کر دعا تو کر دیتا ہے لیکن اس طرح کی دُعا تو شاید چھت تک بھی نہ پہنچتی ہو۔ ہاں خضوع اور خشوع سے نمازوں اور بالخصوص تہجد میں دُعا کی جاوے تو صاحب حال اور ابرار کو قبولیت یا عدم قبولیت دُعا سے خدا تعالےٰ خبردار کر دیتا ہے عدم قبولیت کی خبر سے کسی بزرگ کی بزرگی میں فرق نہیں آتا لیکن جس کے لئے دعا کی جاوے اس کی حالت کے مطابق دعا کبھی قبول اور کبھی نامقبول ہوتی ہے حضرت نوح بشریت کے لحاظ سے خیال کرتے ہیں کہ انکا بیٹا ان کے اہل میں شامل ہے جن کے بچانے کا الہیٰ وعدہ تھا اور جب

حضرت نوحؑ بیٹے کے لئے دُعا کرتے ہیں تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے
انہٗ لیس من اھلک - انہ عمل غیر صالح یہ کیسی جہالت
کی بات ہے - کہ تم خیال کرو کہ مجھے علم نہیں کہ وہ تیرے اہل میں
سے ہے کہ نہیں اور اس امر کو اس طرح بیان فرمایا :- فلا تسئلن
ما لیس لک بہ علم - انی اعظک ان تکون من الجاھلین
رسول اکرمؐ زیادہ محتاط تھے انہوں نے دُعا کی کہ خدایا مجھے میری
والدہ کی قبر بتائی جاوے تو خدا تعالےٰ نے ان کو بتا دی تو انہوں
نے فوراً دُعا نہ کی بلکہ پہلے اجازت طلب کی کہ مجھے اجازت ہے
کہ دعا کروں سفارش کا تو ذکر نہیں - فرمان الٰہی ہوتا ہے کہ وہ مشرکہ
تھی دُعا کی اجازت نہیں ـــــ رسول اکرمؐ نے دُعا کی کہ خدایا دو
عمروں میں سے ایک تو مجھے دے - ایک ابو جہل تھا جس کا نام عمر اور
لقب ابو الحکم تھا کیونکہ اس کا فیصلہ آخری ہوتا تھا - دوسرا حضرت عمرؓ
بن خطاب - خدا تعالےٰ نے حضرت عمر بن خطاب کو دے دیا
لیکن ابو جہل رسول اکرمؐ کے وقت کا فرعون ثابت ہوا -

والد بزرگوار کو خداوند ارحم الراحمین نے قبولیت دعا کی نعمت
سے بھی نوازا تھا - اور جب کسی کے لئے دُعا فرماتے تو نتیجہ سے
اطلاع دے دیتے کہ دُعا قبول ہوگئی کام ہو جائے گا یا تقدیر میں کچھ
اور ہے - اس کی بڑی مثالیں تو ہم نے اپنے گھر میں دیکھی ہیں مثلاً
میرے لڑکے نثار احمد کو چیچک نکلی اور اس زور سے کہ آنکھ پر

بھی نکلی۔ ڈاکٹر نظام الدین صاحب مرحوم معالج تھے وہ روزانہ بچے کو دیکھتے ایک دن میرے بھائی پروفیسر عبدالرحیم خاں صاحب کو جو اسلامیہ کالج سے عیادت کے لئے آتے تھے (اسلامیہ کالج شہر پشاور سے مغرب کو پانچ میل کے فاصلہ پر ہے) کہا کہ آپ واپس نہ جائیں کیونکہ بیمار رات نہیں کاٹے گا۔ چنانچہ وہ ٹھہر گئے اور حضرت والد صاحب بزرگوار کو ڈاکٹر نظام الدین صاحب کی رائے سے مطلع کیا۔ والد صاحب بزرگوار دوسرے روز علی الصباح ہمارے گھر تشریف لائے اور بچے کو دیکھا اور اس کی والدہ کو فرمانے لگے کہ فکر نہ کرو۔ یہ بچہ بچ جائے گا اور اچھا ہو جائے گا۔ چنانچہ بفضلِ خدا وہ لڑکا بچ گیا بلکہ اس کی آنکھ کو بھی گزند نہ پہنچا اور اب تک زندہ اور صاحب اولاد ہے۔ دعا کرنی اور بات ہے اور جس دوست کو دعا کے لئے کہا جائے وہ دعا تو کرے گا لیکن نتیجہ سے اطلاع ابرار ہی پاتے ہیں۔

۲۔ ہمارے محترم بھائی محمد رمضان صاحب مرحوم کے بیٹے ڈاکٹر عبدالرحمان صاحب نے (جو آج کل سول سرجن ہیں) جب ایم۔بی۔بی۔ ایس یعنی ڈاکٹری کا امتحان پاس کیا اور ملازمت کے لئے درخواست کی اور حضرت والد صاحب کو دعا کے لئے عرض کی تو آپ نے دعا کر کے بتایا کہ اس کو کامیابی ہو جائے گی۔ چنانچہ اُن کے تقرر کا حکم ہو گیا لیکن وہ حکم فوراً معطل ہو گیا کیونکہ گورنر صاحب صوبہ سرحد کے

ایک معزز اہل کار کے لڑکے کی سفارش کمشنر صاحب نے صیغۂ صحت کے افسر اعلیٰ سے کی۔ چنانچہ قاضی عبدالرشید صاحب ساکن مانسہرہ (حال ایڈووکیٹ عدالت ہائے عالیہ پشاور) نے جو اُن دنوں ابھی طالب علم تھے اور پشاور میں مقیم تھے عصر کے وقت حضرت والد صاحب بزرگوار سے ذکر کیا کہ سابقہ حکم برطرف ہو گیا ہے تو آپ نے حیران ہو کر کہا اچھا۔ دوسرے دن صبح جب باہر تشریف لائے تو فرمایا کہ کل رات تہجد میں ہم نے پھر دُعا کی بلکہ عبدالرحمان کے لئے جھگڑا کیا (جھگڑے کے لفظ سے کسی کو حیرت نہ ہو خدا نے اپنے ایک مقرب بندے کے لئے ایسے الفاظ قرآن کریم میں استعمال فرمائے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کے متعلق آتا ہے۔ کہ جب قوم لُوط پر عذاب کی بشارت دینے والے فرشتے چلے گئے تو لگا ابراہیم جھگڑنے۔ فلما ذھب عن ابراھیم الروع جاءتہ البشریٰ یجادلنا فی قوم لوط ۱۲) حضرت والد صاحب نے عرض کی کہ خدایا تو مسیح ناصری کے حواریوں کی دعائیں سنتا تھا مسیح محمدی کے حواری تو تیرے فضل اور رحمت کے زیادہ حقدار ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دوسرا حکم منسوخ ہو جائے گا اور پہلا حکم عبدالرحمان کی تقرری کا برقرار رہے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت والد صاحب نے جوانی ہی میں بڑی ریاضت شاقہ کی تھیں اور علم توجہ میں کمال حاصل کیا تھا لیکن جب حضرت مرزا غلام احمد صاحب سے ملنے گئے تو عند الملاقات

انہوں نے ذکر کیا کہ علمِ توجہ میں تو میں نے کمال حاصل کر لیا ہے لیکن آگے دروازہ نہیں کھلتا۔ یعنی قبولیت دعا کا جواب بذریعہ الہام وغیرہ نہیں ملتا ہے تو حضرت مرزا صاحب نے فرمایا ہمارا طریقہ منہاج نبوت پر ہے اور کسی قسم کی ریاضت نہیں کراتے۔ جیسے دوسرے سلسلوں میں رواج ہے نماز ہی معراج مومن ہے آپ ساری توجہ نمازوں پر مبذول کریں انشاء اللہ العزیز سب دروازے کھل جائیں گے۔ حضرت والد صاحب ان چیدہ سابقین الاولین میں سے تھے جنہوں نے مرزا صاحب کی تصدیق کی اور ان کی بزرگی کا نشان قبولیت دعا تھی۔ جیسا آیا ہے۔ واعلموا ان الولایۃ کلھا فی اجابات الدعاء وما معنی الولایۃ الا لقبولیت فی حضرت الک بریا۔ جاننا چاہیئے کہ ولایت ساری کی ساری قبولیت دعائیں ہے۔ اور ولایت کے معنی سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ وہ درگاہ الٰہی میں قبول ہو۔ یعنی مقبول الٰہی وہی ہوتے ہیں جن کی دعائیں قبول ہوں اور قبولیت کا ان کو جواب ملے۔ اور اس نعمت سے حضرت والد صاحب کو خدا تعالےٰ نے اپنے فضل و رحمت سے سرفراز فرمایا تھا۔ اور قرآن مجید سے بھی یہی نشانی معلوم ہوتی ہے جہاں خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے ویستجیب الذین امنوا و عملوا الصالحات ویزیدھم من فضلہ۔ جو ایمان لائے اور ایمان کے ساتھ عمل صالح کرتے ہیں ان کی دعائیں قبول کی جاتی

ہیں اور اس سے بڑھکر بھی خدا فضل کرتا ہے یعنی الہام سے مشرف فرماتا ہے۔

۳۔ متذکرہ بالا مثالوں کے علاوہ چند مثالیں اور ذکر کرتا ہوں ورنہ یوں تو اس قدر مثالیں ہیں کہ جن کا ہمیں علم نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ حضرت والد صاحب کے بہت سے دوست اور احباب ان سے دعائیں کراتے تھے جن میں سے ہر ایک کا ریکارڈ ہمارے پاس موجود نہیں ہے۔ گھر میں والد صاحب کے ہاں جو اولاد ہوتی لڑکی یا لڑکا وہ ایک قرآن شریف کی جلد کی اندرونی طرف ان بچوں کی تاریخ پیدائش اور نام درج کرتے جنہوں نے زندہ رہنا ہوتا اور جنہوں نے زندہ نہ رہنا ہوتا اُن کا نام درج نہ کرتے اور یہ بات ہماری والدہ صاحبہ نے بیان کی اور قرآن شریف بھی دکھایا اور ان بچوں کا نام بھی درج نہیں تھے ہماری چوتھی ہمشیرہ جو ان دنوں زندہ تھی اس کے متعلق والدہ صاحبہ نے بتایا کہ باوجود بار بار یاددہانی کے اس بچی کا نام ابھی تک درج نہیں کیا اور معلوم ہوتا ہے کہ اس نے بھی زندہ نہیں رہنا۔ چنانچہ خان چمکنی خان بہادر سرفراز خان کے پوتے سے اس کی منگنی بھی ہو گئی۔ اور والدہ صاحبہ کی وفات کے بعد جو ۱۹۲۴ء میں ہوئی وہ زندہ تھی لیکن شادی سے پہلے ہی بیمار ہو کر فوت ہو گئی اور والد صاحب کی بات پوری ہو گئی اس وقت یعنی بوقت وفات اغلباً اس کی عمر ۱۳ سال تھی۔

۴ - ۱۹۳۱ء میں جب میں وزیرستان میں تعینات تھا رخصت پہ گھر آیا - اور چونکہ رخصت ختم ہو رہی تھی اور عید کا دن رخصت کا آخری دن تھا اس لئے عید کی نماز پڑھکر روانہ ہو رہا تھا تو حضرت والد صاحب گلی کے سرے تک جہاں موٹر کھڑی تھی معہ چند احباب کے ہمیں ساتھ چلے - مجھے اس دن بڑی حیرت اور حیرانی ہوئی کیونکہ ہم اکثر رخصتوں پر آنے اور جانے وقت اُن سے ملتے وہ دُعا کرتے اور ہم روانہ ہو جاتے وہ کبھی گھر کے دروازہ تک بھی ہمیں وداع کرنے نہیں نکلتے تھے یہ خلاف معمول عمل تھا اور پھر حیرت اور بھی بڑھی جبکہ انہوں نے سب بچوں میں سے جو اس وقت ہمارے ساتھ تھے عبدالکریم کے سر پہ ہاتھ پھیرا اور قدرے آب دیدہ ہو گئے - جب ہم وزیرستان پہنچے تو وہ لڑکا ٹائیفائڈ سے بیمار ہو گیا - اس کے ساتھ اس کے دوسرے بھائی عبدالسلام کو اور ان کی والدہ کو بھی ٹائیفائڈ ہو گیا - حضرت والد صاحب ان دنوں ایبٹ آباد گرمیاں گذارنے تشریف لے گئے تھے - میں نے ان کو دعا کے لئے لکھا تو جواباً لکھا کہ عبدالکریم کو ہسپتال داخل کرا دو اور دوسرے مریضوں کے متعلق یہ نہیں لکھا - اس کے چند دن بعد سول سرجن صاحب (میجر صاحبزادہ احمد خان صاحب) نے بھی فرمایا کہ بہتر ہوگا اس کو ہسپتال داخل کر دو - سول ہسپتال میں کوئی موزوں کمرہ نہیں تھا سوائے ایک معمولی کچی عمارت کے وارڈ کے جو زیر

بیماروں کے لئے بنایا گیا تھا دسول ہسپتال کی تعمیر کی تجویز زیرِ غور تھی جو ۱۹۳۶ء میں مکمل ہوئی) اس لئے سرجن صاحب نے ان کو قلعہ میں سکوٹس کے ہسپتال میں ایک کمرہ اُن کمروں میں سے دیا جو دیسی افسروں کے لئے مخصوص تھا۔ دعا کے لئے پھر والد صاحب کو لکھا تو انہوں نے جواب دیا کہ جو بیمار گھر پہ ہیں ٹھیک ہو جائیں گے اور عبدالکریم نے ابھی تکلیف گذارنی ہے چنانچہ ۲۱ دنوں کے بعد اس کا بخار ایک وقت ٹوٹا لیکن دو تین دنوں کے بعد پھر ہر وقت رہنے لگا چنانچہ وہ لڑکا اپنی بیماری کے ۴۰ دنوں بعد فوت ہو گیا چنانچہ اس کا جنازہ ایک خاص جیپ میں ہم جو پولیٹیکل ایجنٹ صاحب نے مہیا کی تھی ہم پشاور لائے اور اپنے بچے کو اپنے مدفن میں دفن کر کے دوسرے دن ہم واپس وزیرستان گئے۔ بچے کی سخت بیماری اور بعد اس کی وفات پر یہ منکشف ہوا کہ کیوں والد صاحب بزرگوار ہمیں وداع کرتے نکلے تھے اور اس بچہ پہ دستِ شفقت پھیرا اور جب بیمار ہوا تو کہا ہسپتال داخل کر دو۔

۵۔ ۱۹۴۱ء میں اُن کا ایک نواسہ عبدالحمید خاں (جو اب پنجاب میں ای اے سی ہیں) تپ محرقہ میں مبتلا ہوا۔ اور علاج کے لئے لاہور چلا گیا جہاں میڈیکل ایڈ یعنی ہر قسم کی طبی اور ڈاکٹری امداد مہیا ہے ۴۰ دن کے بعد بخار اُتر اگر دوبارہ شروع ہو گیا۔ اور پھر ۴۱ دن جاری رہا آخر ڈاکٹر اس کی زندگی سے مایوس ہو گئے تو اس نے اپنی والدہ کو

کہا کہ حضرت والد صاحب بزرگوار کو خاص طور پر دعا کے لئے لکھیں چنانچہ ان کو خط آیا اور انہوں نے جواب دیا کہ دعا کی گئی اور مقبول درگاہ ایزدی ہوئی وہ ٹھیک ہو جائے گا اور ابھی اس کی زندگی بہت باقی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کو شفا دی اور وہ آج ای اے سی کے معزز عہدہ پر فائز ہیں۔ یہ بات لکھدینی آسان ہے لیکن حتمی طور پر دعا کرنے کے بعد ایسا دعوےٰ کرنا بہت بڑی بات ہے اور صرف انہی لوگوں کا کام ہے جو اولیائے مقربین میں سے ہوں۔

مثالیں اور بھی بہت ہیں لیکن یہ چند ایک ہی بطور نمونہ والد صاحب مرحوم کی پوزیشن اور مقام کو واضح کرنے کے لئے کافی ہیں۔ ایک دو واقعات اور بھی جو ذہن میں آ گئے ہیں مثالاً لکھدیتا ہوں۔

ایک دفعہ شادی کے بعد میں سخت بیمار ہو گیا اور سخت قسم کا ٹائیفائیڈ ہو گیا۔ میں لنڈی کوتل سے چند دنوں کی رخصت پر (غالباً کوئی تین دن کی رخصت پر) پشاور آ گیا۔ یہ موسم گرما تھا اور میں ان دنوں پولیٹیکل ایجنٹ خیبر کے دفتر میں ملازم تھا۔ جب مجھے رخصت کے بعد بھی چند دن زیادہ ٹھیرنا پڑا تو پولیٹیکل ایجنٹ صاحب نے سول سرجن پشاور کو فون کیا کہ مجھے دیکھیں۔ اس نے مشورہ دیا کہ پشاور میں گرمی زیادہ ہے جس پر پولیٹیکل ایجنٹ صاحب نے مجھے لنڈی کوتل بلانے کا بندوبست کیا جہاں ایجنسی سرجن صاحب مجھے باقاعدہ دیکھنے اور علاج کرتے رہے۔ میری مایوسی کی حالت تھی والد صاحب

مرحوم کو دعا کے لیئے لکھا انہوں نے دُعا کی اور جواب آیا کہ اس کو (بیٹے مجھے) نئی زندگی ملے گی۔ چنانچہ وہ مایوسی کی حالت آہستہ آہستہ امید میں بدل گئی اور خدا تعالیٰ نے مجھے شفا عطا فرمائی۔

ایک دفعہ مجھے خناق کی تکلیف ہو گئی جس میں گلا بند ہو جاتا ہے سانس مشکل سے لیا جاتا ہے اور آخر میں گلا بالکل بند ہو جاتا ہے بیماری کے سخت مرحلہ اور مایوسی کی حالت میں والد صاحب بزرگوار نے دعا کی اور فرمایا کہ شفا ہو جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس موذی مرض سے مجھے نجات حاصل ہوئی۔

ایک دفعہ گرمیوں کے موسم میں مولوی محمد علی صاحب مرحوم صدر جماعت احمدیہ لاہور پشاور تشریف لائے اور ہمارے ہاں فروکش ہوئے اُن کے لاہور واپسی کے دن روانگی سے چند گھنٹہ قبل میرا ملازم ہمارے مکان کے ساتھ ملحقہ مسجد میں کنوئیں سے ٹھنڈا پانی لینے گیا تو مسجد کے ملاں نے اس کو جھڑکا کہ کافر نکل جا۔ اس وقت جماعت پشاور سے کم از کم بیس اشخاص جناب مولوی محمد علی صاحب کو وداع کہنے آئے ہوئے اور ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کے ملاّ نے اغلباً متولیان مسجد (جو بارسوخ پانچ بھائی قوم سیّد کے تھے) کے اشارہ پہ جھگڑا اُٹھایا تھا۔ جب ان کو منع کیا گیا تو اس نے ہمارے ایک شخص پہ حملہ کیا اور آن کی آن میں محلہ اور بازار کے اکثر لوگ مسجد میں جمع ہو گئے اور لڑائی شروع ہو گئی (اس اچانک حملہ اور لوگوں کے جمع ہو جانے

پر یقین ہو گیا کہ یہ سوچا ہوا منصوبہ تھا) خیر لڑائی میں ایک ہمارا احمدی شدید زخمی ہو گیا اور دوسری طرف سے بعض کو خفیف بہت خفیف زخم آئے لیکن ملّا کو اس قدر مار پڑی کہ خون میں تر بتر ہو گیا اور تھانہ تک پہنچاتے ہوئے تین دفعہ اس پر غشی آئی۔ خیر اس کو داخل ہسپتال کیا گیا۔ متولی خاندان کے بارسوخ افراد میں سے بعض اس ڈاکٹر صاحب کے پاس پہنچے ہو لیتے ہی مقدمات میں زخمی افراد کے وارڈ کا انچارج تھا۔ ڈاکٹر صاحب ہندو تھے اس کو ایک ہزار روپیہ رشوت دیا گیا کہ زخمی ملّا کے علاج میں کوتاہی کرے یا غفلت یا کوئی تدبیر کہ مار جاوے تاکہ مجھ پر اور میرے والد بزرگوار پر قتل کا مقدمہ چلایا جاوے۔ ہندو ڈاکٹر نے اس احترام اور عزت کی وجہ سے جو والد صاحب مرحوم کو ہندو مسلمانوں میں حاصل تھی اور جن کی بزرگی مسلم تھی، جناب والد صاحب مرحوم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس واقعہ سے اور ان مخالف لوگوں کے بُرے ارادوں سے ان کو مطلع کیا اور ساتھ ہی اس نے فی الحال احتیاطاً زخمی پر پولیس کا سخت پہرہ لگوا دیا ہے تاکہ کسی کا ہاتھ اس تک پہنچ نہ سکے۔ والد صاحب مرحوم جو ان دنوں اس ابتلاء عظیم کی وجہ سے دعاؤں میں مشغول تھے انجام معاملہ سے کاملاً مطمئن تھے اور سب کو تسلی دیتے تھے لیکن احتیاطاً رعایت اسباب کے لحاظ سے انہوں نے جا کر ڈپٹی کمشنر صاحب کو ڈاکٹر صاحب کی رپورٹ کی خبر دے دی مقلب القلوب خدا تعالیٰ ہی کی ذات ہے فضل ایزدی دیکھو کہ ڈپٹی کمشنر صاحب نے

والد صاحب مرحوم کو تسلی دی اور کہا کہ خواہ ملّا مر جائے وہ ہرگز والد صاحب پر مقدمہ نہیں چلا سکیں گے۔ اور آخر معاملہ ایک جرگہ کے سپرد کر دیا جس کے ممبر بڑے پایہ کے اشخاص تھے ایک نواب سر صاحبزادہ عبد القیوم صاحب دوم نواب دوست محمد خاں رئیس اعظم قبیلہ خلیل ساکن تہکال۔ خان بہادر منگلباز خاں پرسنل اسسٹنٹ چیف کمشنر صوبہ سرحد اور خان بہادر رہبر عالم خان افسر مال پشاور تھے جرگہ میں فریقین میں صلح ہو گئی اور مسجد میں احمدیوں کے نماز پڑھنے کے حق کو بھی فریق ثانی نے تسلیم کر لیا۔ یہ ہمارے لئے فتح عظیم تھی فالحمد للہ علیٰ ذالک اور بعدہ حالات ہمارے لئے بالکل سازگار ہو گئے۔

میرے ہم زلف خان بہادر ڈاکٹر محبوب علی خاں صاحب سابق ساکن انبالہ چھاؤنی حال شہر راولپنڈی کے ہاں اولاد ہوتی لیکن بچپن ہی میں فوت ہو جاتی تھی۔ اتفاق سے جب میری شادی ہوئی تو ڈاکٹر صاحب کی اہلیہ اپنے بھائی مطیع اللہ خاں مرحوم سابق انسپکٹر آبکاری کے ہاں راولپنڈی ٹھہری ہوئی تھی۔ ہماری برات سردار سجان سنگھ کے باغ میں ٹھہری جو مطیع اللہ خاں کے مکان کے بالکل مقابل لب سڑک واقع تھا۔ ایک دفعہ والد صاحب مرحوم میرے عیال کو لانے یا پہنچانے گئے تھے کہ اتفاقاً میری سالی کے ہاں لڑکا ہوا والد صاحب مرحوم ان دنوں وہاں مہمان تھے۔ مطیع اللہ خاں نے بتایا کہ ان کی ہمشیرہ کی اولاد ہو کر مر جاتی ہے اور زندہ نہیں رہتی حضرت

والد صاحب نے فرمایا تو زائیدہ بچہ اس کے پاس لایا جائے چنانچہ انہوں نے ایک تعویذ لکھ کر دیا کہ چالیس دن تک اس کے ماتھے پہ باندھا جائے۔ اور بچہ انشاء اللہ تعالےٰ زندہ رہے گا چنانچہ وہ بچہ میرے عزلعت کا پہلا بچہ تھا جو زندہ رہا اور اس کا نام والد صاحب مرحوم نے عطاء اللہ رکھا جو آج کل کراچی میں انسپکٹر پولیس ہیں۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب کے بچے زندہ رہنے لگے۔

۱۹۵۷ء کے ایک عجیب واقعہ کا ذکر کرتا ہوں۔ حضرت والد صاحب میری بابت فرمایا کرتے تھے کہ مجھے آخری عمر میں بڑی تکلیف کا سامنا ہوگا چنانچہ ۱۹۵۴ء میں جب میں لاہور تھا مجھے بواسیر (نتق) کی تکلیف شروع ہوئی تو میرے ایک کلاس فیلو اور دوست ڈاکٹر غلام محمد صاحب نے ٹرس پیٹی کی تجویز کی اس سے مجھے قدرے آرام محسوس ہوتا لیکن ۱۹۵۷ء میں تکلیف اس قدر بڑھ گئی کہ سوائے اپریشن کے اور کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ اس وقت میری عمر ۷۱ سال تھی اور کمزور بھی تھا۔ پہلے اپریشن پر دس دن کے بعد زخم اچھے ہوگئے تھے لیکن ایک جگہ اندر خون جمکر لوتھڑا بن گیا تھا۔ چونکہ میں کمزور تھا دوسری دفعہ بلا کلوروفارم دینے کے اس کے نکالنے کے لئے راستہ بنایا جو کافی سے زیادہ تکلیف دہ تھا۔ اس زخم سے اور بھی کمزور ہوگیا اور مایوسی تک حالت پہنچ گئی۔ میں نے حضرت مسیح موعود کو خواب میں دیکھا کہ نماز میں با لجہر قرآن شریف کی کوئی دعا پڑھ

رہے ہیں (دعا یاد نہ رہی) اور ایسی خوش الحانی سے کہ زندگی میں میں نے ایسی جاذب اور سریلی آواز نہیں سُنی - ان المومن یری ویُری لہ - مومن خود رؤیا بھی دیکھتا اور بعض وقت دوسرے بھی اس کے متعلق رؤیا دیکھتے ہیں - غرض جب ہسپتال میں مجھے یہ تکلیف گذارتے ہوئے تقریباً ایک ماہ ہو گیا اور میں سخت تکلیف میں تھا تو حضرت والد صاحب مرحوم میرے بیٹے عبدالحی کو خواب میں آئے اور بتایا کہ تمہارا باپ سخت تکلیف میں ہے - میں نے اس کے لئے دعا کی ہے اور وہ درگاہ الٰہی میں مقبول ہوئی وہ اچھا ہو جائے گا لیکن تم حضرت مسیح موعود کی وہ چادر جو وہ اوڑھا کرتے تھے اور تمہاری زوجہ کے پاس ہے لے جاؤ اور پہلے اللہ کا بستر بدل دو اور یہ چادر بچھا دو اور چار کونوں سے مندرجہ ذیل چار اشخاص چادر پکڑ کر بچھا دیں - سرہانے کی طرف پسران عبدالقدوس عبدالحی اور پاؤں کی طرف برادران عبدالرحمن اور عبدالرحیم - چنانچہ میرا بیٹا عبدالحی رخصت لیکر مع عیال اور بچی کے پشاور آیا اور وہ چادر بھی ساتھ لائے اور جیسا کہ اسکو والد صاحب مرحوم نے خواب میں ہدایت کی تھی سارا بستر بدلا گیا اور حضرت مسیح موعود کی چادر بھی بچھا دی[۱] -

---

[۱] یہ بات قابل ذکر ہے کہ پسرم عبدالحی کی شادی ۱۹۵۵ء میں ہوئی اور والد صاحب بزرگوار کی وفات ۱۹۴۳ء میں ہوئی - ان کا میرے لڑکے کو یہ کہنا کہ حضرت مسیح

قدرت الٰہی اس دن سے میری طبیعت سنبھلنے لگی۔ اور چالیسویں دن ہسپتال سے صحت یاب ہو کر گھر آ گیا۔ جب میری طبیعت سنبھلنے لگی اور دن بدن میں تدریجاً آہستہ آہستہ آرام محسوس کرنے لگا تو میری طبیعت میں رقّت اور گداز پیدا ہوا کہ مولا کریم تیری کیسی ذرّہ نوازی ہے کہ تو نے اپنے مسیح موعود سے وعدہ کیا کہ تیرے کپڑوں سے بادشاہ برکت ڈھونڈیں گے اور تو نے اس عزّت سے اس درویش کو بھی سرفراز فرمایا ہے۔ ان ہی دنوں میں نے خود رؤیا میں دیکھا کہ ایک نور سر سے پاؤں تک سفید ریشمی لباس میں میرے سامنے سے گذری اس کا منہ میری طرف نہیں تھا اور وہ قاصرات الطرف آنکھیں نیچے کئے گذر گئی لیکن اس رؤیاء سے میرے قلب میں ایک لذّت اور سکون محسوس ہوا ایسا جیسا ایک دفعہ میں نے جنّت کا نظارہ کشفی حالت میں دیکھا۔ وہ واقعہ یہ تھا میں ایک دن نماز پڑھ رہا تھا کہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۶ } موعود کی جو چادر تمہارے گھر ہے وہ لے جا کر اپنے والد کے بستر پر بچھا دو، یہ اس رؤیا کی صداقت پر زبردست نشان ہے حضرت والد صاحب مرحوم کو اس چادر کی کیا خبر تھی کیونکہ عبدالحی کی شادی والد صاحب کی وفات کے بارہ سال بعد ہوئی اور وہ چادر عبدالحی کی اہلیہ اپنے ساتھ لائی تھی ہمارے گھر میں نہ تھی مجھے کیا ہمارے گھر میں کسی کو بھی خبر نہ تھی کہ حضرت مسیح موعود کی مستعمل چادر ملنگ اہلیہ عبدالحی کے پاس ہے اور یہ واقعہ عالم روحانیات کے عجائبات میں ہی ہے جسے سمجھنے سے ظاہری عقل قاصر ہے۔

نماز میں غنودگی آگئی اور میں دیکھتا ہوں کہ میں ایک چمن میں ایک درخت کے نیچے بیٹھا نماز پڑھ رہا ہوں۔ درخت کے پتے ایسے آہستگی سے ہل رہے ہیں اور شاخیں اس آہستگی سے جھوم رہی ہیں کہ میں حیران ہوا کہ ہوا کوئی نہیں اور نہ میں کوئی ہوا کے جھونکے محسوس کرتا ہوں۔ وقت ایسا سہانا ہے کہ نہ دھوپ ہے نہ گرمی اور نہ سردی۔ اس حالت میں یہ آیت میرے دل میں گذری۔ لایرون فیھا شمسا ولا زمھریرا وہ لذت بھی مجھے عمر بھر نہیں بھولی اور نہ بھولتی ہے۔

ہسپتال داخل ہونے سے قبل ہسپتال کے سپرنٹنڈنٹ صاحب کے تخمینہ کے مطابق اپریشن کے خرچ کا اندازہ ایک صد روپیہ تھا جو کہ میرے دو لڑکوں نے دینا کیا لیکن ایک ہفتہ کی جگہ مجھے ۲۹ دن ہسپتال رہنا پڑا۔ اور خدا کے فضل سے بارش کی طرح روپیہ برسا جو نہ صرف ہسپتال میں بلکہ بعدہٗ دوائیوں اور خوراک کے لئے بھی کافی تھا اور یہ سب میرے بعض بیٹوں بھائیوں اور عزیزوں نے اعانتاً دیا۔ مجھے انکے نام لکھنے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ جس مولا کریم و رحیم نے جو مقلب القلوب ہے ان کو یہ توفیق دی وہی ان کا اجر بھی دے گا فزدد اور بانصر ودر۔

ایک دفعہ میری والدہ کا بچہ ولادت سے پہلے مر چکا تھا اور ان کی جان کا خطرہ تھا۔ تو حضرت والد صاحب نے دعا کرتے کرتے دیکھا کہ وہ فوت ہو گئی ہیں۔ اس پر انہوں نے دعا پر زور دیا اور جناب الٰہی

میں عرض کی کہ خدایا اس کی موت سے میں ان چھوٹے چھوٹے بچوں کو کیونکر سنبھالوں گا خدایا اس کی عمر اپنے فضل وکرم اور رحم سے بڑھا دے چنانچہ خدا کے فضل سے وضع حمل بھی ہو گیا اور ہماری والدہ کو خدا نے اپنے فضل سے موت سے بچا کر عمر بڑھا دی اور مردہ بچہ کو نام رکھ کر دفن کیا گیا اور اسی دن دایہ ہمارے ہاں سے فارغ ہو کر والد صاحب کے ایک دوست کے گھر گئی جہاں یہی صورت تھی اور افسوس ہے کہ ان کے دوست کی اہلیہ نہ بچی اور فوت ہو گئی۔ دوسرے دن دائی نے ان کو بتایا۔ متقیوں کی دعا تقدیر بدل دیتی ہے۔ اور یہی قبولیت دعا ہی اولیاء اور ابرار کی نشانی ہے۔ ان کی دعا پر قبولیت کی اطلاع ان کو دی جاتی ہے۔ بعض لوگ سجادہ نشینوں وغیرہ کے پاس جاتے ہیں حضور یہ تکلیف ہے۔ دعا کریں وہ ہاتھ اٹھاتے ہیں اور دعا کرتے ہیں لیکن جب تک دعا کرنے والے کو اس کی دعا کی قبولیت کی اطلاع خداوند تعالےٰ کی درگاہ سے نہ دی جاوے وہ اولیاء میں شمار نہیں ہو سکتا۔ ولی اور غیر ولی میں یہی نمایاں فرق ہے۔ خدا کی درگاہ سے اجابت دعا کی اطلاع ولی کو غیر ولی سے ممتاز کرتی ہے۔ اس لئے کیا ہی سچا مقولہ ہے ہے

ہزار سر نے وشکلے نہ گرد د حل
چو پیشِ اوبروی کار یک دعا باشد

صلحاء کی توجّہ اور اسکے اثرات

بعض لوگ جن کو علم توجہ سے مس نہیں ہوتا اس کو زمینی علم کہکر خیال کرتے ہیں کہ یہ ایک بے فائدہ چیز ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر چیز کے دو پہلو ہوتے ہیں ایک نیک اور ایک بد۔ زبان سے ذکر اللہ بھی ہو سکتا ہے اور گالی بھی بکی جا سکتی ہے۔ ہر زمینی علم آسمانی علوم کے لئے بطور بنیاد ہوتا ہے۔ زمین کاشت کروگے تو آسمانی بارش اسے ایک سبز خوشگوار فصل میں بدل دے گی۔ اگر زمین کاشت نہ کروگے تو آسمانی بارش کا پانی تم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا ہے۔ اسی طرح علم توجہ دو قسم کا ہے۔ ایک زمینی جس میں سالک اپنی محنت سے اس میں کمال حاصل کرتا ہے اور ایک آسمانی جو بعدہٗ بارش کی طرح اسکو سرسبز فصل میں بدل دیتا ہے۔ علم توجہ کا ادنےٰ کرشمہ ہے جس میں مسمار ائیزر کھیل تماشے دکھاتے اور اپنی روٹی کماتے ہیں۔ ان کی مثال اس شخص کی طرح ہے کہ قرآن شریف یاد کرکے بازار میں بیٹھا پڑھتا اور روٹی مانگتا ہے۔ اس سے اوپر سالک کا کام ہے جو عربی سیکھتا ہے اور قرآن شریف کے معنی بھی جانتا ہے۔ بعض اس علم کو دنیاوی اغراض کے لئے استعمال کرتے ہیں اور بعض اس سے دینی خدمت بجا لاتے ہیں۔ اس عربی جاننے والے کو کچھ عربی لکھنے میں قوتِ اعجازی دی جاتی

ہے۔ عربی میں اس کو قوتِ اعجاز نہیں دی جاتی جس کو عربی نہیں آتی ہے۔ حضرت مسیح موعود نے عرب اور عجم کو چیلنج کیا ہے کہ میری طرح عربی لکھو۔ یہ قوت خدا کی طرف سے دی جاتی ہے اور یہ مقام حضرت مامورین الٰہی کو خدا کی طرف سے بطور نشان اور شہادت الٰہی دیا جاتا ہے کہ ان کا خدا کے ساتھ ماموریت کا تعلق دنیا والوں پر ثابت ہو۔ کیونکہ مامور رسول خدا کے وجود پر شاہد ہوتے ہیں اور خدا ان کے سچا ثابت ہونے پر شاہد ہوتا ہے۔

مصر کے ساحر رسیوں کو حرکت میں لاتے اور وہ سانپ دکھائی دینے لگے۔ یہ علم توجہ کا کرشمہ تھا حضرت موسیٰ نے اپنا عصا پھینکا وہ اژدھا بن گیا اور ساحروں کے سانپ رسیاں رہ گئیں اور حضرت موسیٰ کا اژدھا پھر عصا نظر آنے لگا یہودی توجہ سے مٹی کے پرندے بناتے تھے اور ان میں توجہ سے حرکت پیدا کرتے تھے جیسے مصری ساحروں نے رسیوں میں حرکت پیدا کی اور وہ سانپ دکھائی دینے لگے تو حضرت عیسیٰ نے بھی مٹی کے پرندے بنا کر جب توجہ کی تو وہ کچھ اڑ کر سامنے گر گئے۔ یہودیوں کے پرندے بھی کھلونے ہی رہے اور عیسیٰ کے بھی کھلونے کے کھلونے ہی رہے۔

حضرت موسیٰ اور حضرت خضر جا رہے تھے ایک جگہ ایک لڑکے کو حضرت خضر نے قتل کر دیا۔ یہ قتل بندوق طمانچہ تلوار یا چھرے سے

نہیں کیا گیا ورنہ ان کو لوگ گرفتار کرتے۔ یہ بھی جو کچھ ہوا علم توجہ سے ہوا۔ اور توجہ سے یہ بھی ہو سکتا ہے لیکن خضر نے حکم الٰہی کے ماتحت کیا۔ پھر حضرت خضر نے کشتی کے تختے توڑے دریا میں چلتی کشتی میں سوار ان کو کب ایسا کرنے دیتے تھے یہ عقل سلیم سے بعید ہے یہ بھی توجہ کا کرشمہ تھا کہ تختے ٹوٹے۔

اسی طرح یورپ میں ایک فرقہ ہے جن کو سپرچوئلسٹ کہتے ہیں (SPIRTUALIST) ایک تو وہ ارواح گذشتہ سے باتیں کرتے ہیں اور دوسری طرف وہ بعض بیماریوں کا علاج بذریعہ مس (ہاتھ پھیر) کرتے ہیں۔ اُن سے جب کہا گیا کہ آپ حضرت مسیح کے روح سے باتیں کر سکتے ہیں تو انہوں نے بتایا کہ وہ ارواح ہماری پہنچ سے باہر ہیں۔ لیکن حضرت مسیح موعود نے اُن سے ملاقات بھی کی ہے اور ایک دسترخوان پر کھانا بھی کھایا ہے (روحانی حالت میں نہ کہ دنیا کی روٹی اور سالن) اور ایک جگہ لکھتے ہیں کہ اگر چاہوں اور توجہ کروں تو لوقا مصنف انجیل کا سارا حال لے سکتا ہوں۔ سپرچولسٹ مسیح سے باتیں نہیں کر سکتے ہیں لیکن حضرت مرزا صاحب کئی بار اُن سے ملاقات کر چکے ہیں۔ ایک ہندو علم توجہ سے ایک بیمار کو اچھا کر سکتا ہے اور اسی طرح ایک مسلمان مرد صالح بھی۔ لیکن مقربان الٰہی کی نشانی یہ ہے کہ ان کی دعاؤں کو بارگاہ الٰہی میں شرف قبولیت حاصل ہوتی ہے۔ جو مقام کسی غیر مسلم کو تو حاصل ہی نہیں ہو سکتا اور نہ مسلموں

میں سے بھی صرف صلحاء اور مقربین کو حاصل ہوتا ہے۔
اب میں ایسے واقعات کا ذکر کروں گا جو اگرچہ علم توجہ کے عمل کا نتیجہ تھے لیکن ان میں وہ چیز تھی جو علم توجہ والوں کو حاصل نہیں ہوتی جس کے لئے میں ایک واقعہ کا ذکر کرتا ہوں:۔
ایک دفعہ ایک پادری صاحب تشریف لائے جن کو بڑی شہرت حاصل تھی اور حضرت والد صاحب سے دوران گفتگو میں جو مختلف مسائل پر ہو رہی تھی عاجز آ کر کہا کہ حضرت مسیحؑ مردے زندہ کرتے تھے اور یہ کمال حضرت رسول اکرمؐ کو حاصل نہ تھا اس لئے حضرت مسیحؑ خدا اور خدا کے بیٹے تھے ورنہ انبیاء کو یہ قوت حاصل نہیں ہوتی ہے۔ اس پر حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ انجیل میں صرف ایک شخص کا ذکر ہے جس کا نام لعزر تھا۔ جس کی حقیقت بھی مشتبہ ہے کیونکہ چار معتبر انجیلوں میں سے جو اس وقت عیسائی صحیح مانتے ہیں اس واقعہ کا صرف یوحنا کی انجیل میں ذکر ہے باقی تین انجیلوں میں قطعاً کچھ بھی ذکر نہیں یوحنا اس قدر مبالغہ کرتا ہے کہ یہ اس قدر عظیم الشان معجزہ تھا کہ یروشلم والے اس معجزہ کی وجہ سے کھجوروں کی شاخیں لے کر مسیحؑ کے استقبال کے لئے نکلے۔ انجیل کا راوی ایک طرف کہتا ہے کہ وہ مر گیا تھا اور دفن ہو گیا تھا اور دوسری مسیحؑ کے قول کا ذکر کرتا ہے کہ وہ سویا ہوا ہے اس کو جا کر جگاتا ہے۔ یسوع

نے کہا کہ یہ موت کی بیماری نہیں - اور نہ مسیح اس کو مرا ہوا نہیں کہتے
جیسے یوحنا نے غلط مبالغہ کر کے لکھا ہے کہ کھجوروں کی شاخوں
سے اس کا استقبال کیا گیا - حالانکہ صرف متی اور مرقس نے اس
استقبال کا حال لکھا ہے اور لوقا نے نہیں اور تینوں میں سے کسی
نے اس کو لعزر کے جی اُٹھنے کے معجزہ پر مبنی نہیں کیا اگر لعزر
واقعی مرگیا ہوتا اور نہ زندہ ہو گیا ہوتا تو باقی تین انجیلیں کیوں خاموش
ہوتیں - اس طرح ایک ادنےٰ واقعہ کو ایک ناقابل عمل فعل کی شکل
یوحنا نے دی ہے ورنہ باقی کیوں اس کا ذکر تک نہیں کرتے
وہ بیمار تھا اور مسیح نے اس پر توجہ کر کے اس کو اچھا کیا یا وہ
قریب المرگ تھا اور مسیح نے توجہ سے اس کو زندہ کیا اس سے
زیادہ کوئی حقیقت نہیں ہو سکتی - اور پھر فرمایا کہ آپ رسول اکرمؐ کا کیا
نام لیتے ہیں میں ان کا ادنےٰ ترین خادم ہوں اور میں نے تین
چار مردے زندہ کئے ہیں جن میں سے دو تو اس مجلس میں موجود
ہیں اور یہ سب زندہ ہیں . . . . اور شہادت دے
سکتے ہیں اگر آپ کو تحقیق منظور ہو - اس پر پادری صاحب ایسے
لاجواب ہوئے کہ کچھ جواب نہ بن آیا - فبھت الذی کفر -

واقعات مذکورہ بالا سے چند کا جس کا مجھے علم عندالدریافت
ہوا ہے ذکر کرتا ہوں پادری صاحب اور حضرت والد صاحب کے
مجلس سے چلے جانے کے بعد بعض نے ایک دوسرے سے

سوال کیا کہ وہ کون سے اشخاص ہیں چنانچہ دلاور خاں نے ذکر کیا کہ:-
(۱) ایک تو صاحبزادہ عبدالقیوم تھے جو حضرت والد صاحب کے شاگرد تھے۔ ہمارے نانا صاحب اور والد صاحب جناب صاحبزادہ صاحب کے خاص محسن بھی تھے۔ صاحبزادہ صاحب کے نانا جو ایک بزرگ تھے اور کوٹھہ صاحب کے نام سے مشہور تھے وہ ہمارے نانا صاحب کے دوست تھے کیونکہ نانا صاحب جہاں کسی بزرگ اور صوفی کو پاتے اُن سے میل ملاقات رکھتے۔ ان کی دوستی کی وجہ سے صاحبزادہ صاحب نے جب پانچویں جماعت پاس کر لی اور گاؤں میں مزید تعلیم کا بندوبست نہیں تھا ان کو شہر لے آئے اور اپنے ہاں جگہ دی اور بطور ڈسٹرکٹ انسپکٹر ان کا پادریوں سے بھی رسوخ تھا اور پادریوں کی اس زمانہ میں اپنی پالیسی بھی قوانین میں رسوخ پیدا کرتا تھا اور سرکار کے بھی معتمد تھے تو ہمارے نانا صاحب کے کہنے سے پادری صاحب نے صاحبزادہ صاحب کو اپنے چرچ مشن سکول میں داخل کر لیا یہ سارے پشاور میں اس وقت واحد مدرسہ تھا جس کے ساتھ بورڈنگ ہاؤس تھا۔ اس لئے اکثر پشاور کے مضافات کے خوانین زادے اسی مدرسہ اور بورڈنگ میں رہتے تھے صاحبزادہ صاحب کو حضرت والد صاحب کے مستجاب الدعوات ہونیکا تجربہ تھا اور جب کبھی بیمار ہوتے اور بیماری لمبی ہوتی والد صاحب کو بلاتے اور دُعا کی درخواست کرتے چنانچہ ایک دفعہ ایسے سخت

بیمار ہوئے کہ زندگی کی امید کم رہی تو حضرت والد صاحب کی توجہ اور دعا سے خدا تعالےٰ نے ان کو نئی زندگی بخشی۔

۲- دوئم دلاور خاں خود تھے۔ چنانچہ حضرت والد صاحب کی حاضری میں دلاور خاں نے کہا کہ ایک تو میں تھا اور ایک وہ دوست کا مہمان جناب والد صاحب نے فرمایا درست ہے۔

دلاور خاں نے اپنے متعلق ایک واقعہ یہ سنایا کہ اس نے کوئی دوائی کھائی تھی جس کے اثر سے وہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کا دل بیٹھا جا رہا ہے اور اس کے بدن میں قوت نہیں رہی۔ چنانچہ میں نے حضرت مولانا صاحب کو رات کے وقت بلوا بھیجا کہ میرا دل بیٹھا جا رہا ہے اور میرا جسم بے حس ہو رہا ہے اس لئے میں نے آپ کو تکلیف دی ہے کہ میں وصیت کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت مولانا صاحب چپ رہے اور تھوڑی دیر بعد ایک دانہ الائچی کا دیا جس کے حلق سے اترتے ہی محسوس ہوا کہ بدن میں قوت آ رہی ہے اور دل کی قوت بڑھ رہی ہے۔ میں نے کہا کہ ایک دانہ اور دیں چنانچہ انہوں نے ایک دانہ اور دیا جس کے بعد میں اطمینان محسوس کرنے لگا اور میں نے حضرت مولانا صاحب کو کہا اب آپ تشریف لے جائیں میں بچ گیا میں نہیں مرتا۔ لیکن میں اس قدر کمزور ہو گیا تھا کہ ایک ہفتہ یخنی کھا کھا کر اٹھنے کے قابل ہوا۔

۳- دوسرے موقعہ کا ذکر کرتے ہوئے دلاور خان نے بتایا

کہ میں اپنے گھر میں بیمار تھا اور اس بیماری میں تشنّج بھی شروع ہو گیا۔ میری مٹھی خود بند ہو جاتی تھی اور جب میں اس کو کھولتا وہ پھر بند ہو جاتی تھی۔ ان دنوں حضرت والد صاحب خود بیمار تھے اس لئے دلاور خان نے خیال کیا کہ انکو بلوایا نہیں جا سکتا اس لئے میں نے کھائی شیخ فضل کریم صاحب کو بلایا اور خواہش کی کہ وہ حضرت والد صاحب کے پاس جا کر میرا حال بیان کریں چنانچہ شیخ صاحب گئے اور والد صاحب بزرگوار سے دلاور خان کا حال سنایا۔ انہوں نے تھوڑی دیر چپ رہ کر شیخ صاحب کو کہا کہ دلاور خان کو جا کر تسلی دے دیں کہ وہ اچھے ہو جائیں گے اور گھبرائے نہیں۔ چنانچہ مجھے خدا تعالیٰ نے اُن کی دعا اور توجّہ سے شفا دی۔

۴۔ جیسے کہ میں پیچھے ذکر کر آیا ہوں حضرت والد صاحب کا مکان ہندوستان اور افغانستان کے احمدیوں کے درمیان ایک مقام اتصال (جنکشن) اور مستراح تھا جہاں افغانستان والے آتے یا وطن کو مراجعت کرتے وقت یہاں چند دن قیام اور آرام کرتے۔ ان افغان زائرین میں سے ایک جو خوست علاقہ افغانستان کا رہنے والا تھا بیمار پڑ گیا اور ایک رات جبکہ اس کا بدن ٹھنڈا پڑ گیا تھا اور بلانے پر جواب نہیں دے سکتا ایک قسم کی بے ہوشی کی حالت میں تھا تو دلاور خان صاحب اور قاضی محمد یوسف صاحب جو اس کی تیمارداری کے لئے مہمانخانہ میں ہی ٹھہرے ہوئے تھے اس خیال سے کہ ایسا نہ ہو کہ

یہ بھی جاتے اور مولانا صاحب کل کہیں ہمیں خبر کیوں کی انھوں نے حضرت والد صاحب کو گھر کا دروازہ کھٹکھٹا کر بلایا اور اس خوشی کا حال بیان کیا - والد صاحب آکر اس کی چارپائی کے پاس کھڑے ہوگئے اور توجہ شروع کی دس پندرہ منٹ میں وہ شخص اللہ اکبر کہکر جاگ اٹھا اور والد صاحب اس کی حالت سدھرنے کے بعد تشریف لے گئے وہ خوشی بھی اس لمبی بیماری سے اس قدر ضعیف ہوگیا تھا کہ بعدہ ایک ہفتہ تک اسکو تختی دکھائی اور وہ ایک ہفتہ کے بعد اٹھنے کے قابل ہوسکا -

۵ - ان سب سے عجیب تر واقعہ میرے گھر میں واقع ہوا ۱۹۴۱ء میں جبکہ میں پاراچنار علاقہ کرم میں تھا (پاراچنار سطح سمندر سے سات ہزار فٹ بلند ہے اور بڑا سرسبز اور صحت افزا مقام ہے) حضرت والد صاحب گرمیاں گذارنے کے لئے ہمارے پاس آئے ہوئے تھے - میرا سب سے چھوٹا بیٹا محمود جان دنوں دس مہینے کا تھا اور ابا اماں وغیرہ الفاظ بھی بولتا تھا - اتفاقاً یکدم اس پر بخار کا حملہ ہوا - پہلے دو دن تو ایک پریکٹیشنر کا علاج کیا اس خیال سے کہ معمولی ملیریا ہے لیکن جب فائدہ نہ ہوا اور بچے کی حالت خراب ہونے لگی تو سول سرجن کرم کا علاج شروع کیا اس نے ایک دو دن کے بعد علاج کر کے بتایا کہ اس کو گردن توڑ بخار ہے جس سے ایک دو فیصدی مریض بچتے ہیں اور اس کا آخری علاج یہ ہے کہ ریڑھ کی ہڈی سے

مغز نکالا جاتا ہے اور چونکہ اس کے بعد بھی بہت کم کوئی بچتا ہے
اس لئے جب تک آپ اجازت نہ دیں ہم خود یہ اقدام نہیں کر سکتے
چونکہ بچہ ایک قسم کی جان کندن کی حالت میں تھا ہم نے اجازت دیدی
اور رات کو گیارہ بجے ڈاکٹر صاحب متذکرہ عمل کرکے واپس ہوئے
والد صاحب بزرگوار بنگلہ سے باہر چمن میں جس کے ساتھ ہی اخروٹ
اور میوہ دار درختوں کا باغیچہ تھا ایک مظلّہ میں ٹھیرے ہوئے
تھے۔ مظلّہ عربی میں ایک چھتا ہوا مگر چاروں طرف سے
کھلے مستراح یعنی آرام کی جگہ کو کہتے ہیں جو بارش یا دھوپ سے
بچنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ ان کو رات کو علم ہوا جب
کہ سول سرجن آیا صبح کو نماز فجر کے بعد انہوں نے فرمایا کہ میں
اندر محمود کو دیکھنے جاتا ہوں (جب وہ سے تشریف لائے تھے
باہر مظلّہ میں فروکش تھے اور اندر آنے کی ان کو ضرورت نہ تھی
اور مظلّہ سے قریب بنگلہ سے باہر جان سامان اور ملازموں
کے کمرے تھے جو ہر وقت والد صاحب کے سامنے تھے
اندر جاکر وہ اس پلنگ کے پاس کرسی ڈلوا کر بیٹھ گئے جس
پلنگ پر محمود پڑا ہوا تھا اور ایسا تھا جیسے فالج کا مارا ہوا جسم۔
والد صاحب بزرگوار نے توجہ شروع کی اور دس پندرہ منٹ کے
اندر بچے کے اعضا میں حرکت شروع ہو گئی۔ انہوں نے محمود کی
والدہ کو کہا کہ انکو دودھ دو لیکن اس نے دودھ نہ پیا۔ چنانچہ انہوں

ستے چند منٹ کے بعد پھر کہا تو بچے نے پھر بھی بچے نے دودھ منہ میں نہ لیا۔ چند منٹ بعد پھر فرمایا کہ اس کے منہ میں دودھ دو، تو اس نے دودھ منہ میں لیکر پیا۔ والدصاحب نے والدہ قیوم کو کہا کہ یہ میرا معجزہ ہے کہ یہ بچہ بچ گیا لیکن کامل صحت کے لئے ابھی بڑی تکلیف اٹھائے گا۔ چنانچہ مزید علاج کے لئے بچہ کو پشاور بھیجدیا گیا تاکہ چند ڈاکٹروں کے مشورہ کے بعد ایک کا علاج شروع کیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اس دوران میں اس کی آنکھوں کی بینائی بھی جاتی رہی اور وہ ایک مفلوج لڑکے کی طرح پڑا رہتا اور تین تین گھنٹوں کے بعد اس کی والدہ اسکو دودھ پلا دیتی۔ چھ ماہ کے بعد اس کی آنکھوں میں پھر نور آگیا اور بچہ آہستہ آہستہ اچھا ہونے لگا اگرچہ اس کے علاج میں سال دو لگ گئے۔ وہ بچہ جب پیدا ہوا چودہ پونڈ وزن کا تھا اور اس وقت ۱۶-۱۷ سال کے درمیان ہے اور مضبوط اور خوش قامت نوجوان ہے۔

چشتی۔ سہروردی۔ قادریہ۔ نقشبندی۔ مجددی۔ سرہندی ان سب سلسلوں کے بزرگ توجہ کرتے ہیں اور غیر مسلموں میں بھی یہ علم ہے۔ اس سے اس قدر فائدہ ضرور ہے کہ نماز میں توجہ مرکوز ہو جاتی ہے۔ اور نمازی پریشان خیالیوں سے نجات پاتا ہے۔ جن کو یہ مقام بھی نصیب نہیں ان کو گویا اس سے کچھ بھی فائدہ نہیں

پہنچا۔ خواجہ معین الدین چشتیؒ کو ہندو ماہرین توجہ سے مقابلہ کرنا پڑا لیکن یہ خواجہ صاحب کی روحانیت تھی کہ ان کو ان مخالفین پر غلبہ حاصل ہوا۔ خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ ان چند بزرگوں میں سے تھے جن کی توجہ حضرت مسیحؑ کی توجہ سے ملتی تھی۔ حضرت رسول اکرم حضرت موسےؑ کے مثیل تھے انا ارسلنا الیکم رسولاً شاھداً علیکم کما ارسلنا الیٰ فرعون رسولاً۔ اور سلسلہ محمدیہ کے مجددین اور چیدہ بزرگ انبیاء بنی اسرائیل کے مثیل ہوتے ہیں اس لئے حضرت رسول اکرمؐ نے پہلے ہی فرما دیا تھا۔ علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل اور چونکہ مجددین سلسلہ محمدیہ اور چیدہ بزرگان اسلام چراغِ محمدیہؐ سے نور لیتے ہیں اور رسول اکرمؐ کے فیض سے مقام ولایت پہ پہنچتے ہیں وہ بروز رسول اکرمؐ بھی ہوتے ہیں۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں ہر زمانہ میں مسیح پیدا ہوتے اور ہو سکتے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

روح قدسی گر مدد کرد دے بزادے درجہاں
ہر دور در مریم ایام عیسےؑ دگر

ترجمہ:۔ اگر قدسی روح مدد کرے تو جہان میں پیدا ہو سکتا ہے
ہر دور کے مریمی زمانہ میں دوسرا عیسےؑ

یہاں اس زمانہ کو جس میں کوئی اہل اللہ مسیحیت کے مقام کو پہنچے

مریم سے مشابہت دی ہے۔

قرآن کریم میں مقدس مومنوں کو مریم سے تشبیہہ دی ہے۔
پارہ ۲۸ سورۃ تحریم آخری رکوع :۔ ضرب اللہ مثلاً للذین امنوا امرات فرعون۔ ایک مومن وہ ہوتے ہیں کہ وہ فرعون کی عورت کی مانند ہوتے ہیں۔ یعنی جیسے فرعون کی عورت مومن تھی لیکن فرعون کے قبضے میں تھی اور دعا کیا کرتی کہ خدایا مجھے فرعون کے پنجے سے نجات دے۔ اس طرح وہ مومن ہیں جنہوں نے ابھی شیطان کے غلبہ سے نجات حاصل نہیں کی۔ لیکن سعی اور دعا کرتے ہیں۔ ان سے ارفع مریم صفت مومن ہیں۔ ومریم ابنت عمران التی احصنت فرجھا فنفخنا فیہ من روحنا۔ وہ مومن جو مریم کی طرح ہیں انہوں نے مریم کی طرح اپنی عفت کو محفوظ رکھا تو ایسے مومنوں کے اندر ہم نفخ کرتے ہیں اور اپنی روح پھونکتے ہیں۔ چنانچہ جو مومن مقام مریمیت کو پہنچتے ہیں وہ اس مقام سے پھر مقام مسیحیت کو پہنچتے ہیں۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں :۔

جان چو مسیح گردد از عہد مریمی
با روح قدس تا بفلک ہم عناں شود

خواجہ صاحب سلوک کے ابتدائی زمانہ کو مریم سے تشبیہہ دیتے ہیں فرماتے ہیں :۔ اگر مریمی گہوارہ سے مومن کی روح اگر مسیح کی طرح

رہائی پا شے ہے۔ تو روح قدس کے ساتھ آسمانوں تک پہنچ سکتا ہے
پھر فرماتے ہیں :۔

دمبدم روح القدس اندر معینی مے دمد
من نمے دانم مگر من عیسئے ثانی شدم

ترجمہ :۔ ہر آن ہر وقت معینی کے اندر (دل میں) روح القدس چمکتا ہے
میں نہیں جانتا مگر میں عیسئے ثانی ہو گیا ہوں۔

جو اولیاء اللہ مقام فنا فی اللہ کو پہنچتے ہیں اکثر یہ مثال دیتے ہیں کہ
جیسے لوہے کو آگ میں ڈالا جاوے وہ آگ کا رنگ اور خاصیت
لے لیتا ہے اور ظاہراً آگ ہوتا ہے اگرچہ لوہا ہوتا ہے۔ اسی
طرح حضرت خواجہ صاحب نے بھی اس مقام کو پہنچکر یہی مثال دی ہے

ہیزم شخص معین سوخت چناں ز آتش عشق
کہ شدم اخگر و گفتم کہ مگر نار شدم

عشق کی آگ میں معین کے نفس کا ایندھن ایسا جل گیا۔ کہ میں کوئلہ ہو گیا
اور خیال کیا کہ میں آگ ہو گیا ہوں۔

حضرت مرزا غلام احمد صاحب فرماتے ہیں :۔

ھدیت الحب حتی صار روحی
وارانی جنانی فی جنانی

میں نے اس پیارے سے اس حد تک محبت کی کہ وہ میری جان
بن گیا۔ اور میرا بہشت اس نے میرے دل میں دکھا دیا۔

دخلت النار حتی صرت ناراً
وخلّی فاق اذکار الافانی

میں عشق الٰہی کی آگ میں داخل ہوا یہاں تک کہ میں آگ ہو گیا۔ اور میری کھجور لگھات پات کے فلک سے بہت بلند ہو گئی۔

علم توجہ کے متعلق حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود فرماتے ہیں کہ علاج کی چار صورتیں تو عام ہیں۔ دوا سے۔ غذا سے۔ عمل سے۔ پرہیز سے علاج کیا جاتا ہے۔ ایک پانچویں قسم بھی ہے جس سے سلب امراض ہوتا ہے۔ وہ توجہ ہے۔ حضرت مسیح اس توجہ سے سلب امراض کیا کرتے تھے۔ سلب امراض کی قوت مومن اور کافر کا امتیاز نہیں رکھتی۔ نبی اور عام لوگوں کی توجہ میں اتنا فرق ہوتا ہے کہ نبی کی توجہ کسبی نہیں ہوتی بلکہ وہبی ہوتی ہے۔ توجہ ایک ایسی چیز ہے کہ اس سے سلب ذنوب بھی ہوتا ہے۔ ہمارے نبی کریم کی توجہ اور حضرت مسیح ناصری کی توجہ میں یہ فرق ہے کہ حضرت مسیح سے تو سلب امراض ہوتا تھا لیکن ہمارے نبی کریم کی توجہ سے سلب ذنوب ہوتا تھا۔ اسی وجہ سے آپ کی قوت قدسی کمال کے درجہ پر پہنچی ہوئی تھی دعا بھی توجہ ہی کی ایک قسم ہوتی ہے۔ توجہ کا سلسلہ کڑیوں کی طرح ہوتا ہے۔ جو لوگ حکیم اور ڈاکٹر ہوتے ہیں ان کو اس فن میں مہارت حاصل کرنی چاہیئے۔ حضرت مسیح کی توجہ چونکہ زیادہ تر سلب امراض کی طرف تھی اس لئے سلب ذنوب میں انکے کامیاب

نہ ہونے کی یہی وجہ تھی۔ کہ جو جماعت انہوں نے تیار کی وہ اپنی صفائی نفس اور تزکیہ باطن میں ان مدارج کو پہنچ نہ سکی جو جلیل الشان صحابہ کو ملی۔ اور رسول کریمؐ کی قوت قدسی یہاں تک با اثر تھی کہ آج اس زمانہ میں بھی تیرہ سو برس کے بعد سلب ذنوب کی وہی قوت اور تاثیر رکھتی ہے جو اس وقت رکھتی تھی۔ (اس سے مراد یہ ہے کہ مجددین امت محمدیہ اور اولیاء رسول اکرمؐ کے ہی فیض سے اب بھی اس مقام عالی کو پہنچتے ہیں)

رفاہ عام کے کام

حضرت والد صاحب جب پشاور میں آکر متوطن ہوئے اور
بورڈ سکول پشاور میں ہیڈ ماسٹر تھے تو اس وقت کوئی اسلامی درسگاہ
شہر میں نہ تھی۔ ایک بورڈ سکول تھا اور ایک چرچ مشن سکول۔ چرچ
مشن سکول کا بورڈنگ ہاؤس سکول کے احاطہ میں نہیں بلکہ مشن کے
انچارج پادری صاحب کے بنگلہ کے ساتھ تھا جو پشاور مال روڈ
سے مشرقی سرحد پر رہتا تھا وہاں خوانین اور مضافات کے صاحب
حیثیت لوگوں کے بچوں کے لئے ایک بورڈنگ ہاؤس تھا۔ جہاں
آج کل ایڈورڈ کالج اور اس کا بورڈنگ کھڑا ہے کیونکہ پادری صاحبان
اس علاقہ میں اپنا اثر رسوخ بڑھانا چاہتے تھے۔ اور حکومت انگریزی
میں ان دنوں ان کی طوطی بولتی تھی۔ اور ان کی سفارش سے لوگ عہدے
حاصل کرتے تھے۔ چنانچہ سر صاحبزادہ عبدالقیوم اور عبدالغفور خاں
خان زیدہ جو پنجاب میں سیشن جج ریٹائر ہوئے انہی لوگوں کی سفارش
سے نائب تحصیلدار اور منصف مقرر ہوئے تھے جناب والد صاحب
بزرگوار نے سب سے مستحسن قدم مسلمانان پشاور کی بہبود کے لئے
یہ اٹھایا کہ انجمن حمایت الاسلام سکول کی بنیاد ڈالی۔ جو پہلے مڈل تک
تھا۔ اور بعدہ ہائی سکول ہوگیا۔ اور سکول کے نظم ونسق کے لئے

ایک انجمن حمایت الاسلام کی بنیاد رکھی جس کے وہ پریذیڈنٹ تھے اور سکول کے بھی ناظم اعلیٰ۔ اس کے لئے پنجاب سے اساتذہ منگوائے۔ اور اس میں قرآن شریف خاص طور پر پڑھایا جاتا تھا اور انجمن حمایت اسلام لاہور کے دینیات کا کورس اس سکول میں بھی جاری کیا گیا۔ یہ سکول پہلے محلہ چودہ کوہان میں تھا جہاں ساتھ ہی لکڑ منڈی تھی۔ اور اس کی توسیع اور بورڈنگ کے لئے وہاں کوئی اور جگہ ملنے کا امکان نہ تھا اس لئے حضرت والد صاحب کی تحریک اور سرکردگی میں ایک وفد ان کے مہربان چیف کمشنر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس قطعہ زمین کا مطالبہ کیا جو چھاؤنی کی حدود میں تھا لیکن شہر سے کابلی دروازہ اور فصیل سے ملحق تھا۔ چنانچہ چیف کمشنر صاحب نے وہ قطعہ زمین اسلامیہ سکول کے لئے دیدیا۔ سکول اس وقت تک عام لوگوں اور سوداگران کے چندوں پر چلتا تھا یعنی آمد کی کمی ان چندوں سے پوری کی جاتی تھی اور مستقل آمدنی کی کوئی صورت نہ تھی۔ اس لئے حضرت والد صاحب اور ان کے شاگرد مفتی فدا محمد صاحب جو انجمن کے سیکرٹری تھے۔ صوبہ سرحد اور صوبہ بلوچستان کے دورہ پر نکلے تاکہ اس وقت کے افسران اور اہلکاران سے جو اکثر ان کے سکول سے تعلیم پاکر نکلے اور معزز عہدوں پر فائز تھے اور ان کے رسوخ سے صاحب ثروت احباب اور تجار سے چندہ جمع کریں۔ اس مہم میں بفضل خدا ان کو بڑی کامیابی ہوئی اور

عندالضرورت ایسے چند دورے کیئے گئے جن کی وجہ سے کابلی دروازہ سے باہر نکلتے ایک ہی ڈیزائن کی ایک لمبی دومنزلہ بلڈنگ کھڑی ہے جس کا نام اسلامیہ کلب بلڈنگ ہے۔ اس میں عام لیکچروں کے لئے ایک عظیم الشان ہال ہے۔ اور سڑک کے کنارے دکانوں کی قطار اور ان پر بالاخانے۔ اس بلڈنگ سے ہزاروں روپیہ ماہوار آمدنی شروع ہوگئی اور اسلامیہ سکول شہر کے اندرون سے نکال کر اس بلڈنگ میں لایا گیا۔ ٹھیک تعداد تو معلوم نہیں کیونکہ میں نے کبھی شمار نہیں کیا لیکن کم ازکم ۵۰ دوکانیں اور ۲۵ فلیٹ اور بالاخانے اس بلڈنگ میں ہیں بالاخانے تقریباً سب کے سب وکلاء کے پاس ہیں۔ یہ عظیم الشان عمارت حضرت والد صاحب کی مساعی حسنہ اور بلند ہمتی اور اولوالعزمی کا نشان ہے۔ سرجارج روس کیپل زمانہ چیف کمشنری میں جو سرصاحبزادہ عبدالقیوم پر ایسا ہی مہربان تھا جیسے سرہیرلڈ ڈین صاحب والد بزرگوار پر۔ گورنمنٹ کو خیال پیدا ہوا کہ علاقہ غیر لوگوں کو جو بوجہ متواتر وارداتوں اور غارتگریوں کے گورنمنٹ کے لئے سردردی کا موجب ہیں بذریعہ تعلیم مہذب اور رام کیا جاوے اور ایسی عالی شان درسگاہ بنائی جاوے جو تعلیمی لحاظ سے افغانستان اور تیراہ وغیرہ علاقوں کے لوگوں کے لئے ایک جاذب مرکز تعلیم ہوجائے گا۔ اور اس طرح برطانیہ کا رسوخ اور اثر ان علاقوں میں بھی نفوذ کرے گا۔ چونکہ سرکار کا اس میں اپنا مفاد یعنی سیاسی اغراض کو

دخل تھا اس لئے بڑی جلدی گورنر صاحب کے اثر اور تحریک سے چندہ بھی جمع ہو گیا۔ اور گورنمنٹ کی طرف سے بھی بڑے بیش بہا عطیہ جات اور رقوم اعانت مل گئیں اور چند سال میں ایک نہایت خوبصورت اور عالی شان ہائی سکول اور کالج اور دونوں کے ساتھ بورڈنگ ہاؤس اور پرنسپل اور پروفیسرز اور عملہ کے لئے بنگلے اور رہائشی مکانات بن گئے۔ اس موقعہ پر اسلامیہ سکول کے انتظام کا کام بھی صاحبزادہ صاحب کے سپرد کر دیا گیا جو اسلامیہ کالج کمیٹی کے لائق سیکرٹری تھے۔ چنانچہ اُن کے وقت پھر اسلامیہ کلب بلڈنگ کے ساتھ ایک خالی افتادہ قطعہ زمین سٹی اسلامیہ ہائی سکول کے لئے سرکار کی طرف سے بطور عطیہ مل گیا اور وہاں بھی ایک عالیشان سکول بن گیا۔

اسلامیہ کالج مسٹر عبدالقیوم خان وزیر اعظم صوبہ سرحد کے عہد میں یونیورسٹی میں منتقل ہو گیا وہاں ساتھ ہی گورنمنٹ ٹریننگ کالج بھی تھا۔ یونیورسٹی کے بننے سے میڈیکل اور لاء کالج کا بھی اضافہ ہو گیا اور آبادی اس قدر بڑھ گئی کہ یونیورسٹی کی شکل اختیار کر لی۔ حضرت والد صاحب اسلامیہ کالج کے گورنر بھی تھے اور MANAGING BODY یعنی مجلس منتظمہ کے بھی ممبر تھے۔ چنانچہ کالج جب بن گیا تو صاحبزادہ عبدالقیوم صاحب نے حضرت والد صاحب سے خواہش کی کہ کالج کا کوئی شعار یعنی ماٹو تجویز کریں تو حضرت والد صاحب نے یہ آیت بطور ماٹو تجویز کیا۔ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا۔ آج تک وہی ماٹو قائم ہے۔ اور کالج

کا نام دارالعلوم اسلامیہ تجویز کیا جو یونیورسٹی بن جانے سے اسم بامسمی دارالعلوم بن گیا۔ خدا کی قدرت کہ وہ سکول جس کی بنیاد حضرت والد صاحب نے رکھی تھی کالج اور کالج سے یونیورسٹی بن گیا اور انجمن حمایت اسلام۔ کالج کمیٹی کی تشکل میں منتقل ہو گیا۔ اور شرفا اور خواتین اور معززہ افسرانِ سرکاری پر مشتمل ایک گورننگ باڈی کالج کے لئے بن گئی اور پھر عبدالقیوم خاں وزیر اعظم کے زمانہ میں سب کچھ سرکاری کنٹرول کے ماتحت آ گیا۔ صالح تخم ریزی اور نیک کاموں کو خدا بڑھاتا اور سرسبز کرتا ہے۔ كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ بڑ کا ننھا بیج دیکھو جس سے قدرت ایک عظیم الشان درخت بنا دیتی ہے جس کے سایہ میں کم و بیش ایک صد آدمی آرام پا سکتے ہیں۔

۲۔ دوسرا مفید اور مستحسن رفاہِ عام کا کام جو حضرت والد صاحب نے کیا وہ اوقاف کو متولیوں اور دیگر لوگوں کی ناجائز دست برد سے بچانا تھا۔ بحیثیت سب رجسٹرار ضلع ان کو خوب علم تھا کہ اوقاف کی آمدنیاں کس طرح بے دردانہ طور پر چند قابض متولیان کے ناجائز مصرف میں آتی ہیں۔ چنانچہ اس شعبہ کی اصلاح کے لئے بھی انہوں نے قدم اٹھایا۔ ایک تو ابدہ قوم کو جگانا سہل امر نہیں اس لئے پہلے آپ فرداً فرداً اصحاب اثر رؤسا اور تجار کو ملے اور ان پر ان نقائص کو واضح کیا اور ساتھ ہی اس بارہ میں شرعی احکام بھی انکو بتائے اور یہ بھی کہا کہ جب تک

ہم لوگ خود نہ اٹھیں اور اس سوال کو نہ اٹھاویں ایک غیر مسلم گورنمنٹ کا خیال ایسی اصلاح کی طرف نہیں جا سکتا اس طرح جدوجہد کر کے آپ نے اوقاف کمیٹی بنائی جس کی طرف سے ایک وفد گورنمنٹ تک پہنچا اور گورنمنٹ نے کچھ اصلاحی قدم اٹھایا اگرچہ کاملاً اصلاحی اقدام نہیں ہو سکتا تاہم وقف کا قانون پاس ہو گیا اور متولیوں سے اختیارات کچھ حد تک لے لئے گئے پھر ۱۹۴۷ کے بعد مسٹر عبدالقیوم عہد وزارت میں اس وقت کی صوبائی حکومت نے مزید کنٹرول لے لیا اور ایک خاص سرکاری دفتر افسر اوقاف کی نگرانی میں اوقاف کی آمد اور خرچ کے لئے بنایا گیا۔ جو اب تک قائم ہے اور ضلع پشاور کے سارے اوقاف سرکاری نظم و نسق کے ماتحت ہیں جس نیک کام کو حضرت والد صاحب نے شروع کیا تھا خدا نے اس کو سرسبز کیا اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جو کام للہٰ شروع کیا جاوے خدا تعالےٰ اس کو نشو و نما دیتا ہے جیسے ہم ایک تخم زمین میں ڈالتے ہیں لیکن اس کو سرسبز کرنا اور تخموں کو لہلہاتی فصل کی شکل دینا خدا تعالیٰ کا کام ہے جیسے قرآن شریف میں آیا ہے افرئیتم ما تحرثون ءانتم تزرعونہ ام نحن الزارعون زمانہ حال کی سائنس کی تحقیقات سے معلوم ہوا کہ ایک ایکڑ زمین جو ایک زمیندار کاشت کرتا ہے اس میں قدرت کی طرف سے ایک ہزار پانچ سو اور مزدور زیرِ زمین کام پر لگے ہوتے ہیں جن کو بکٹیریا کہتے ہیں اور جو فصل کی

سرسبزی اور نشو ونما کے کام پر متعین ہوتے ہیں۔ یہ کتنی بڑی صداقت ہے کہ یہ خدا کا کام ہے۔ تخم میں جوہر خدا نے رکھا ہے۔ زمین میں نشو ونما کی طاقت خدا نے رکھی ہے۔ بکٹیریا خدا کے حکم کے ماتحت کام کرتے ہیں اور بارش ان سب جوہروں کی نشو ونما میں حیات پیدا کر دیتا ہے۔ ہم نے کیا کیا۔ صرف دانہ زمین میں ڈالا۔ ہم زارع کیسے ہو سکتے ہیں۔

۳۔ آپ صوبہ سرحد کے صیغہ تعلیم کے مستشار بھی تھے اور صوبہ کی ٹیکسٹ کمیٹی کے ممبر بھی تھے یعنی جو نصاب تعلیم مرتب کرتے اور کتب نصاب کے متعلق بالخصوص عربی۔ فارسی اور اردو کے علم ادب کی کتابوں کے متعلق ان کی رائے کو خاص وقعت دی جاتی تھی۔

۴۔ نمک منڈی میں بہت سے سرائیں ہیں جہاں افغانستان کے اونٹوں کے قافلے کشمش، بادام، پستہ، ہینگ، انار، سردہ، انگور وغیرہ وغیرہ خشک اور تر میوے لے کر آتے اور وہاں ٹھیرتے ہیں اور ان کے عوض چائے، چینی کپڑا وغیرہ اپنی ضروریات خرید کر واپس جاتے ہیں۔ اس منڈی میں ایک مسجد بھی تھی جو مقامی منڈی کے تجار اور اہل حرفہ اور ان مسافروں کے استعمال میں آتی تھی۔ اسکے ساتھ شمالی افتادہ زمین تھی۔ منڈی والوں نے اسکو توسیع دینے کے لئے افتادہ سرکاری زمین کا ایک قطعہ راتوں رات ملا کر احاطہ تیار کر لیا اور سابقہ برآمدہ کو دگنا کر لیا۔ اس پر ڈپٹی کمشنر صاحب نے

نوٹس لیا اور تجاوز کرنے والوں کے خلاف قانونی اقدام کرنا چاہے تو ہمارے والد صاحب نے جو اس علاقہ کے میونسپل کمشنر اور آنریری مجسٹریٹ بھی تھے ڈپٹی کمشنر صاحب کو رائے دی کہ ان کا اس قسم کا اقدام کوئی خوشگوار اثر پیدا نہیں کرے گا۔ لوگوں نے بے شک غلط قدم اُٹھایا ہے اُن کے مقابل آپ غلط قدم نہ اُٹھاویں وہ جاہل طبقہ کے اہل حرفہ لوگ تھے اگر ٹھیک طور پر وہ سرکار سے تھوڑی سی زمین کا مطالبہ کرتے تو امید ہو سکتی تھی سرکار منظوری کر دیتی کیونکہ وہ صرف توسیع مسجد کے لئے چاہتے تھے نہ کسی اور غرض کے لئے ڈپٹی کمشنر صاحب نے اس کا فیصلہ حضرت والد صاحب پر چھوڑ دیا۔ انہوں نے چند سر کردہ تجار کا وفد ڈپٹی کمشنر صاحب کی خدمت میں بھیجدیا کہ اپنی غلطی کا اعتراف کر کے معافی مانگیں اس اقدام سے صاحب ڈپٹی کمشنر نے حضرت والد صاحب کے مشورہ کے مطابق ان لوگوں کے خلاف کوئی قدم اُٹھانے کا ارادہ ترک کر دیا اور پھر مزید تجاوز کے روکنے کے لئے حضرت والد صاحب نے یہ تجویز کی کہ مسجد کے مشرق، شمال اور جنوب میں جو خالی زمین ہی یہاں چمن اور درخت لگا دیئے جاویں تا کہ یہ جگہ بارونق ہو جاوے اور گرد و نواح کے لوگوں کے لئے تفریح کی جگہ بن جائے چنانچہ اس پر عمل درآمد کیا گیا۔ اور اب یہ ایک خوش منظر جگہ ہے۔ سب لوگ حضرت والد صاحب کے اس معاملہ کو سلجھانے اور مسجد کے

نواح کو ایک خوش منظر پارک میں تبدیل کرنے کے لئے بڑے مشکور و ممنون ہوئے۔

اس جگہ کی رونق اب دوبالا ہو گئی ہے کیونکہ اس کے مقابل سڑک کے مغرب کی طرف دو منزلہ فروٹ مارکیٹ بن گیا ہے۔ تارگھر اور ڈاک خانہ اور پولیس چوکی یہ سب عہدِ ریاست بعدہٗ پایۂ تکمیل کو پہنچیں۔



کشفی نظر

ان بزرگان کے قویٰ غیر معمولی کام کرتے ہیں جو عام لوگوں کی نظر سے مستور ہوتے ہیں جیسے میں بیان کر چکا ہوں کہ حضرت والد صاحب اپنے گھر بیٹھے اپنے ہم سبق قاضی عبد الرحمان صاحب کے گھر کی باتیں جو ایک میل کے فاصلہ پر تھا اپنے گھر بیٹھے سن سکتے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی بیان کیا ہے کہ جب ہم رخصت گذار کر جا رہے تھے تو انھوں نے غیر معمولی طور پر ہمیں وداع کرتے گھر سے سڑک تک (۲۰۰ قدم کا فاصلہ) گئے تھے اور عبد الکریم کے سر پر ہاتھ پھیرا جو میراں شاہ پہنچکر ٹائیفائڈ میں گرفتار ہو گیا اور جب دعا کے لئے لکھا تو جواب دیا کہ اس کو ہسپتال داخل کر دو۔

اس طرح پاکستان کے وجود میں آنے سے ۱۴-۱۵ سال قبل انھوں نے بتایا تھا کہ میں دیکھتا ہوں کہ میانوالی کا ضلع تھل ہرا بھرا اور لہرا رہا ہے حالانکہ نہ وہاں پانی تھا اور صرف بارانی زمین تھی چنانچہ پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد وہاں لیاقت آباد جوہر آباد وغیرہ نہ صرف گاؤں آباد ہو گئے بلکہ فیکٹریاں بھی کھڑی ہو گئیں۔ اور داؤد خیل کی نہر اس تھل کو سیراب کرتی ہے۔ ایسے واقعات وقوع میں آتے ہیں لیکن نہ ہر وقت۔ حضرت عمرؓ نے

اسلامی سپاہ کو ملک شام میں جنگ کرتے دیکھا اور مدینہ میں بیٹھے سارہ کمانڈر کو حکم دیا یا ساریہ الی الجبل فوج کو پہاڑ کی طرف لے جا۔ یہ آواز ساریہ نے سنی نہ کسی اور نے۔ انگلستان میں مسٹر لوگرو تھا جو مسلمان ہو گئے تھے اور صاحب کشف تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے اپنے بیٹے کو جو ہانگ کانگ میں سمندر کی سیر کو کشتی میں بیوی کو لے کر نکلے تو انہوں نے لنڈن سے بیٹھے اس کو آواز دی کہ واپس آجاؤ۔ چنانچہ اس نے وہ آواز سنی اور واپس آگیا اور اسکے کنارہ پر اترنے کے بعد سمندر میں سخت طوفان آیا اس نے پھر اپنے باپ کو لکھا کہ آپ کی آواز ایسی سنائی دی جیسے آپ سمندر کے کنارے خشکی سے آواز دے رہے ہیں میں حیران ہوا کہ آپ کب اور کیسے آئے جبکہ کوئی خبر نہیں دی۔ اور جب ہم خشکی پر اترے تو سمندر میں ایسا طوفان آیا کہ اگر ہم واپس نہ ہوتے تو اس طوفان سے بچنا محال تھا۔ حضرت عمرؓ کا واقعہ سنا تھا لوگرو (LOVE GROVE) کا دیکھا۔ لوگرو کا دوسرا واقعہ بھی ذکر کر دوں۔ پہلی جنگ عظیم میں اس کا دوسرا لڑکا پیرس میں انگریزی فوج میں تھا۔ پیرس وہ مقام ہے جہاں سخت ترین خندقی جنگ کا مرکز تھا۔ لوگرو نے دیکھا کہ وہ مورچہ جس میں اس کا بیٹا تھا جرمن کی گولہ باری سے گر گیا اور اس کا لڑکا وغیرہ دب گئے۔ وہ لنڈن وار آفس (WAR OF FICE) گیا اور پیرس کی جنگ اور اپنے لڑکے کے متعلق دریافت کیا۔

وہاں انہوں نے جواب دیا کہ پیرس میں خونریز جنگ ہو رہی ہے
اور تفصیلات معلوم نہیں جب تک ان کو اتنی مہلت ملے کہ حال
لکھیں بہر حال لوگرو کی استدعا پہ تار دی گئی اور فرانس کے جنگی
محاذ کے مرکز سے اطلاع آئی کہ واقعی وہ مورچہ جس میں ولیم لوگرو
تھا دشمن کی گولہ باری سے منہدم ہو گیا ولیم بالکل بچ گیا ہے اور زخمی
تک نہیں ہوا ہے۔

حضرت والد صاحب کا ایک اور مشہور واقعہ ضبط تحریر میں لاتا ہوں
گورنمنٹ ہاؤس پشاور میں ایک پارٹی تھی جو سر ایڈ ورڈ پیرس گورنر
نے دی تھی۔ والد بزرگوار بھی حسب معمول شریک تھے۔ ان کا چہرہ
ہر وقت شگفتہ اور ان کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ رہتی تھی۔ پیرس ایک
مغرور طبع شخص تھا۔ اس نے گذرتے گذرتے حضرت والد صاحب
کو کہا آپ ہم پہ ہنستے ہیں۔ اور اس کا لہجہ تکبرانہ اور سخت تھا۔ انہوں
نے فرمایا ہنستا تو نہیں البتہ جو میں دیکھتا ہوں وہ آپ نہیں دیکھ
سکتے۔ چنانچہ یہ بات انگریزوں اور اس وقت کے سربر آوردہ
اصحاب مثلاً صاحبزادہ عبدالقیوم صاحب سب کو معلوم تھا۔ اول
پشاور جا کر چند دنوں کے بعد پیرس کے متعلق خبر آئی کہ وہ ایک چٹان
سے پھسل کر ایک بہت گہرے کھڈ میں گر کر ہلاک ہو گیا جہاں سے
بڑی مشکل سے لاش نکالی گئی اور لیڈی پیرس کو انجکشن دے کر
بیہوش کیا گیا کہ اس صدمہ سے ہلاک نہ ہو جائے اور گرفتہ صاحب

جو وزیرستان کے ریزیڈنٹ تھے اور اتفاقاً ان دنوں نتھیا گلی میں تھے انہوں نے چارج لے لیا جب تک کہ حکومت ہند کا حکم آ وے

سر صاحبزادہ عبدالقیوم نے اس واقعہ کا ذکر ایک مجلس میں کیا جس میں خانبہادر غلام ربانی خان تھے جنہوں نے مجھ سے ذکر کیا اور پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد سر پارسن قبائلی علاقوں کے دیکھنے لنڈن سے آئے تھے اور ڈیرہ اسمٰعیل خان میں خانبہادر محمد نواز خان کے مہمان تھے۔ جب وہ میران شاہ شمالی وزیرستان گئے تو وہاں جن افسروں سے ملے ان میں میرا بھتیجا کپتان عبدالمجید بھی تھا جو ان دنوں ٹوچی سکوٹس کا ایڈجوائنٹ تھا۔ پارسن نے پوچھا کہ آپ کہاں کے نیازی ہیں اس نے بتایا کہ پشاور کا تو پارسن صاحب نے کہا کہ پھر تو آپ خانبہادر مولوی غلام حسن خان صاحب کے عزیزوں میں سے ہوں گے۔ اس نے بتایا کہ عبدالمجید ان کا پوتا ہے تو پارسن صاحب نے مجھ سے پیر صاحب کے متعلق حضرت والد صاحب کا واقعہ کا ذکر اس نے کیا اور کہا وہ ایک سینٹ تھے یعنی ولی۔

واقعات بہت ہیں اور ضرور ہوں گے جو ہمارے علم میں نہیں آئے۔ چنانچہ مئی ۱۹۵۹ء میں میں اپنے بھائی عبداللطیف خان اسسٹنٹ انکم ٹیکس لاہور کے ہاں گلبرگ کالونی میں ٹھہرا تھا کہ ان کی اہلیہ نے جو ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کی صاحبزادی ہیں ذکر کیا کہ انکی بڑی ہمشیرہ صاحبہ جو میرے دوسرے بھائی عبدالحمید خان ایڈووکیٹ پشاور

اہلیہ تھیں اور مدت ہوئی فوت ہو چکی ہیں ان کو بتایا کہ جب ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب بیمار ہوئے اور حالت نازک ہو گئی تو انہوں نے حضرت والد صاحب کو دُعا کے لئے لکھا تو وہ سجدہ میں پڑے دُعا کرتے رہے اور اتنا لمبا سجدہ کیا کہ اہلیہ عبد الحمید کئی دفعہ آئی اور ان کو سجدہ میں پایا اور آخری دفعہ جب آئی تو انہوں نے سر اُٹھایا تھا اور بتایا کہ بچتے اور صحتیاب ہونے کی امید نہیں۔ چنانچہ والد صاحب نے ۱۱ بجے کے قریب برادرم عبد الرحمٰن کو جو اُن کے ساتھ رہتے تھے بتایا تھا کہ ڈاکٹر صاحب فوت ہو گئے (کشفی نگاہ کا کرشمہ تھا) وہ حیران ہوا کہ کوئی تار اور خبر تو ابھی نہیں آئی لیکن چند گھنٹوں کے بعد برادرم عبد الحمید کے نام جو ڈاکٹر صاحب کے داماد تھے لاہور سے ڈاکٹر صاحب کے وفات کی تار آگئی اور وقت وہی تھا جو حضرت مولانا صاحب نے پہلے ہی سے برادرم عبد الرحمان کو جگا کر بتا دیا تھا اور انہوں نے عبد الحمید وغیرہ گھر والوں کو خبر کی ؛

احمدیت پر ایک عام اعتراض کا جواب

حضرت مرزا صاحب مسیح موعودؑ کا مذہب تھا کہ "میرے انکار سے کوئی کافر نہیں ہوتا ہے"۔ "نبوت کا دعویٰ نہیں محدثیت (بالفتح دال) کا دعویٰ ہے جو خدا کے حکم سے کیا گیا"۔ (۳۱) فرماتے ہیں میں کیونکر کسی کلمہ گو کو کافر کہہ سکتا ہوں لیکن حضرت مرزا صاحب نے اپنے متبعین کو یہ حکم کیا ہے کہ غیر احمدی امام کے پیچھے نماز مت پڑھو۔ اس حکم کا پس منظر یہ ہے کہ غیر احمدی مسلمان احمدیوں کو جب وہ مسجد میں نماز پڑھنے جاتے تو وہ مار مار کر نکال دیتے کہ ہماری مسجد ناپاک ہو گئی ہے۔ اور آئے دن ایسے فسادات کی خبر آتی رہتی تھی اس لئے حضرت مرزا صاحب نے دفع شر کے لئے اور ساری جماعت کو ایک مقام اور موقف پر کھڑا کرنے کے لئے حکم دیا کہ وہ فساد سے بچیں اور علیحدہ نماز پڑھ لیا کریں۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی اجازت دے دی کہ جو امام اور مولوی وعامی یہ اعلان کردے کہ وہ حضرت مرزا صاحب کو مسلمان اور سچا مسلمان مانتا ہے اور کافر نہیں جانتا تو تم ایسے شخص کی امامت میں نماز پڑھ سکتے ہو۔ بعض احمدی بالخصوص حضرت مرزا صاحب مسیح موعود کے بیٹے مرزا محمود احمد صاحب کے متبعین خصوصاً غیر احمدیوں کے پیچھے نماز پڑھنی قطعاً جائز نہیں سمجھتے لیکن حضرت مسیح

موعود کے ارشاد کے مطابق حضرت والد بزرگوار جہاں ایسا موقع ہوتا
اور ایسا امام ہوتا جو حضرت مسیح موعود کو سچا مسلمان جانتا اور کافر نہ
کہتا تو اس کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایکدفعہ جب بیرن
عمر۔ آسٹریا کا نواب جو مولوی صدرالدین صاحب مبلغ جرمنی کی مساعی سے
مسلمان ہو گئے تھے اور ہندوستان تشریف لائے تھے تو اپنے
دوران قیام ہندوستان پشاور بھی تشریف لائے اور اسلامیہ کلب
ہال میں ان کا ایک عام لیکچر بھی ہوا جب نماز کا وقت آیا تو بیرن عمر اور
حضرت والد صاحب بزرگوار اور شیخ خدا بخش صاحب ای اے سی مرحوم
نے کلب ہال کے ساتھ کی مسجد میں غیر احمدی امام کے پیچھے نماز ادا
کی۔ کیونکہ شیخ صاحب مرحوم نے بیان کیا کہ انہوں نے اس امام سے
خاص طور پر حضرت مرزا صاحب کے متعلق دریافت کیا تھا تو اُس نے
کہا تھا کہ وہ حضرت مرزا صاحب کو حقیقی سچا مسلمان جانتا ہے اور اس
کو کیا حق پہنچتا ہے کہ ان کو یا کسی مسلمان کو کافر کہے۔ نماز کے بعد
حضرت والد صاحب بزرگوار نے برادرم دلاور خان صاحب کیوریٹر
پشاور میوزیم کو بتایا کہ نماز میں اُن پر انوار کی بارش ہو رہی تھی، اور
اس قدر لذت آرہی تھی کہ بہت کم ایسے مواقع آتے ہیں۔ اس لئے
اگر نماز پڑھنا جائز نہ ہوتا تو انوار کا نزول نہ ہوتا بلکہ زجر اور قبض ہوتا۔
میں نے ایک دفعہ جب نماز فجر پڑھ کر فارغ ہوا اور جمعہ کا
دن تھا تو اس فکر میں تھا کہ آج کیا خطبہ دیا جائے کہ میرے دل میں

یہ مسئلہ اس وقت گذرا میں نے بڑی عاجزی سے دعا کی کہ مولا! یہ
کہ ہم حضرت مرزا صاحب تیرا مامور تھا اور ہم بھی ان کا دعویٰ تھا کہ وہ
نبی نہیں ہیں۔ دوسری طرف حکم کر گئے ہیں کہ غیر احمدیوں کے پیچھے نماز
نہ پڑھی جائے۔ جب انہوں نے یہ حکم دیا تو ظاہراً ایسا معلوم ہوتا ہے
کہ وہ تشریعی نبی تھے ورنہ ایسا حکم نہ دیتے لیکن یہ تو مجھے یقین
ہے کہ یہ حکم تشریعی حکم نہیں کیونکہ سنہ ۱۹۰۸ء میں وفات سے چند
دن پہلے جب سر فضل حسین صاحب حضرت مرزا صاحب کو ملنے آئے
تو انہوں نے خواہش کی یہ حکم منسوخ کیا جائے تو حضرت مرزا صاحب
نے سر فضل حسین صاحب کو جواب دیا کہ ہم تو اپنے مخالفوں کو کافر
نہیں کہتے ہم نے نہیں بلکہ آپ کے علماء نے ہم پر کفر کا فتوےٰ
دیا ہے اس لئے آپ ان سے ملیں اور ان کو آمادہ کریں کہ وہ کفر کا
فتوےٰ منسوخ کر دیں تو میں فوراً اپنی جماعت کو اجازت دیدوں گا
کہ غیر احمدیوں سے نماز مل کر پڑھا کریں۔ سر فضل حسین صاحب گئے اور
علماء اور چیدہ علماء سے ملے لیکن انہوں نے یہی جواب دیا کہ مرزا
صاحب کافر ہیں ہم اس کو مسلمان کیسے کہہ سکتے ہیں۔ لیکن میں
اطمینان قلب کے لئے کوئی دلیل چاہتا ہوں۔ خدا تعالےٰ نے
اپنے فضل اور رحمت سے میری دعا قبول فرمائی اور میرے دل میں
اس وقت پارہ دوم کے ۱۷ رکوع کا مضمون آیا اور بجلی کی طرح فوراً
ایک مضمون میرے دل میں بھر گیا۔ اور مجھے تفہیم ہوئی کہ مرزا صاحب

کا حکم وقتی حکم ہے نہ شرعی جیسے طالوت کا حکم تھا وہ فوج لیکر جالوت کی فوج کے مقابلہ کے لئے نکلا تو ایک نہر پر پہنچکر حکم دیا کہ جو پانی پیئے گا وہ آگے جنگ کے لئے نہیں جائے گا وہ ہم میں سے نہیں ہاں اگر ہاتھ سے چلو بھر لیکر حلق تر کرے تو مضائقہ نہیں۔ گویا طالوت نے ان کو پانی پینے سے جو منع کیا تھا تو کہا تھا ان اللہ مبتلیکم بنھر خدا تعالے ایک نہر کے ذریعہ تمہارے جانچ کرنے والا ہے۔ اس حکم میں حقیقت اور حکمت یہ تھی کہ ساری فوج میں اتحاد اور تابعداری کی ایک روح پھونکنی تھی اور جو کمزور لوگ ایسے ہوں کہ اس معمولی حکم کی بھی تعمیل نہیں کر سکتے انہوں نے میدان جنگ میں تیر اور تبروں کے سامنے کیا احکام کی بجا آوری کرنی ہے بہتر یہی ہے کہ فوج ایسے عناصر سے پاک ہو تاکہ صرف فوج رہ جاوے جو یک دل اور یک جہت ہو۔ اور ساتھ ہی الا غرفۃ بید لا کے الفاظ بڑھا کر خدا تعالے نے ہمارے لئے موشگاف تاویلوں کا میدان بند کر دیا جیسے ظاہر ہے کہ پانی پاک تھا پلید نہیں تھا اور اس کا پینا ناجائز نہیں تھا الہی منشا ان کی آزمائش تھی کہ کمزور عنصر جو جنگ کے قابل نہیں علیحدہ ہو جاوے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ آگے فرماتا ہے کہ فشربوا منھم الا قلیلا۔ اکثروں نے پانی پیا۔ اور تھوڑے جنگجو رہ گئے جو جالوت کی فوج کثیر کے مقابلہ کیلئے آگے گئے غرض مرزا صاحب کا حکم بھی ہنگامی حکم ہے شرعی نہیں اور جماعت

میں تابعداری اتحاد اور یک جہتی کی روح پھونکنی ہے نہ کچھ اور جیسے طالوت کے قصہ میں فرمایا کہ اگر کوئی چلو بھر پی لے تو مضائقہ نہیں اسی طرح یہاں مرزا صاحب نے حکم دیا ہے کہ امام سے پوچھا جاوے اگر وہ مرزا صاحب کو حقیقی اور سچا مسلمان مانتا ہے تو پھر اس کی امامت میں نماز ادا کی جا سکتی ہے۔ جیسے طالوت کا حکم ہنگامی اور غیر شرعی تھا اسی طرح حضرت مرزا صاحب کا حکم ہنگامی اور غیر شرعی حکم ہے جیسے وہاں سے ثابت ہے کہ وہ پانی شرعاً ممنوع نہ تھا اسی طرح حضرت مرزا صاحب کا حکم کے ماتحت غیر احمدی کی امامت میں نماز ادا کرنی شرعاً ممنوع نہیں۔ امید ہے اس الہی تفہیم سے جہاں میری تسلی ہو گئی ان کی تسلی ہو جائے گی جن کے دل میں شکوک ہوں۔ ان اللہ یھدی من یشاء۔

نماز کے اس مضمون میں مجھے ایک اور بات یاد آ گئی۔ مسیح موعود کے لئے احادیث میں یہ نشانی بھی مذکور ہے کہ وہ دوسروں کے پیچھے نماز پڑھے گا۔ اس سے کیا مطلب کیا رسول کریمؐ نے ایک بے فائدہ بات کہی۔ ایسا خیال شیطانی خیال ہے۔ انبیاء دوسرے کے اقتدا میں نماز نہیں پڑھا کرتے بلکہ خود نماز پڑھایا کرتے ہیں۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو غلطی لگے کہ وہ نبی ہے نبی نہیں بلکہ امام اور مجدد ہو گا۔ چونکہ انبیاء میں نہ ہونے کے ان کے لئے لازمی نہیں کہ وہ اوروں کے پیچھے نماز نہ پڑھیں۔ مجددین رسول اکرمؐ کے نائب ہوتے ہیں بعض لوگ مجددین کے ماننے کو ضروری نہیں سمجھتے گویا وہ خدا

کے اس فعل کو عبث خیال کرتے ہیں (نعوذ باللہ من ذالک)

قرآن شریف میں مسلمانوں کے لئے بشارت اور وعدہ ہے کہ وعد اللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم

(النور ۱۸/۱۳)

قرآن شریف میں ہم دیکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل کو کیا ملا۔ سب سے بڑی دولت اور انعام جو ان کو ملا جو دوسری کسی قوم کے نصیب میں نہیں آئی وہ نبوت تھی۔ نبی اور قوموں میں بھی گذرے لیکن بنی اسرائیل کو جو فضیلت علی العالمین خداتعالے نے دیا تھا وہ یہ تھا کہ ابراھیمؑ کے بعد نبی پر نبی آتے اور پھر موسےٰ کو شریعت دی اور اس کی تکمیل اور خدمت کے لئے نبی پر نبی آتا گیا اور ایک ہی وقت میں کئی نبی ہوئے۔ یہ وہ خاص فضیلت تھی جسے خداوند عالمین نے بنی اسرائیل کو نوازا اور فضلنا علی العالمین فرمایا۔ دیکھو مندرجہ ذیل مقامات قرآن کریم۔

(۱)۔ ابراھیم اور نوحؑ کی ذریت میں انبیاء کے نام لیکر ذکر کرنے کے بعد خداتعالیٰ فرماتا ہے:۔

اولٰئک الذین اتینا ھم الکتب والحکم والنبوۃ ...... (الانعام ۱۰/۱۶)

(۲) ولقد اتینا موسی الکتب وقفینا من بعدہ بالرسل واتینا عیسی ابن مریم البینٰت وایدناہ بروح

القدس (البقرہ $\frac{1}{11}$)

(۳)۔ اذ قال موسیٰ لقومہ یا قوم اذکروا نعمۃ اللہ اذ جعل فیکم انبیاء وجعلکم ملوکاً واٰتاکم مالم یؤت احداً من العالمین۔ (المائدہ $\frac{9}{8}$)

(۴)۔ لقد اخذنا میثاق بنی اسرائیل وارسلنا الیھم رسلاً۔ (المائدہ $\frac{6}{14}$)

(۵)۔ ولقد اٰتینا بنی اسرائیل الکتٰب والحکم والنبوّۃ ورزقناھم من الطیبٰت وفضلناھم علی العالمین

($\frac{25}{18}$)

(۶)۔ حضرت ابراہیم کے ذکر میں ارشاد ہوتا ہے:۔ ووھبنا لہ اسحاق ویعقوب وجعلنا فی ذریتہ النبوّۃ والکتٰب واٰتیناہ اجرہٗ فی الدنیا وانہ فی الاٰخرۃ لمن الصالحین (العنکبوت $\frac{2}{15}$)

(۷)۔ ولقد ارسلنا نوحاً وابراھیم وجعلنا فی ذریتھما النبوّۃ والکتٰب فمنھم مھتد ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ واٰتیناہ الانجیل ۔ (الحدید $\frac{27}{22}$)

اور پھر خدا تعالےٰ فرماتا ہے:۔ کنتم خیر امّۃ اخرجت للناس تم سب سے بہترین امت ہو۔ کہ دنیا کی ہدایت کے لئے کھڑے کئے گئے ہو۔

اب سوال ہوتا ہے کہ یہ خوب خیامۃ ہے جس میں ایک نبی (رسول اکرمؐ) آئے اور بس۔ اگر پہلے نبی پر نبی کی ضرورت تھی تو اب کیوں نہیں رہی۔ پھر حدیث شریف میں ہے کہ تم یہودیوں کی قدم بہ قدم پیروی کرو گے اور اگر کسی نے حرام شدہ مستورات سے زنا کیا ہے تو تم بھی کرو گے۔ اگر یہودیوں کی اصلاح کے لئے انبیاء کی ضرورت تھی تو پھر ہمارے لئے کیوں نہیں اس ضرورت کو رسول اکرمؐ نے بھی محسوس کیا۔ چنانچہ انہوں نے بڑا لمبا سجدہ کر کے دعا کرتے رہے۔

آپ سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے بڑا ہی لمبا سجدہ کیا فرمایا میں نے دعا کی کہ خدایا بنی اسرائیل کی اصلاح کے لئے تو نبی پر نبی آتے رہے اور میری امت کیا کرے گی جبکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آنے کا۔ تو خدا نے میری دعا قبول فرمائی اور انبیاء کی جگہ مجددین میری امت میں آتے رہیں گے اور ان کی بعثت کا وقت بھی بتا دیا کہ ہر صدی کے سر پر یہ مجدد آتے رہیں گے۔ اور اسی لئے رسول کریمؐ نے فرمایا کہ علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل یہ لوگ امت میں ایسے ہوں گے جیسے بنی اسرائیل میں انبیاء ہوتے تھے۔ یعنی ان کا کام بھی وہی ہو گا ہدایت اور رشد کا جو بنی اسرائیل کے انبیاء کرتے تھے۔

اسی طرح رسول کریمؐ کے بعد انبیاء تو نہ آئے لیکن ان کے قائم مقام

سلسلہ مجددیہ بھی آتے رہے ہیں۔ اور گذشتہ تیرہ سو سال میں ایسے مجددین آتے رہے۔

چودھویں صدی میں کسی کا کہنا کہ مجددین کے متعلق حدیث غلط ہے۔ اور کوئی مجددین کی ضرورت نہیں شیطان کا دھوکا ہے اور ملکوں کو تو جانے دو اس ہندوستان میں کئی مجدد گذرے ہیں شاہ ولی اللہ صاحب دھلوی۔ سید احمد صاحب سرہندی۔ اگر صرف حضرت مرزا صاحب کے نہ ماننے کے لیئے مولویانہ عذر یہیں تراشا گیا ہے تو بہت خوب ان مدعیان پر کفر کا فتویٰ صادر کردو اور مرزا صاحب ماموراٗلہی ہونے کے لیئے تو آسمانی نشان کی بھی رسول اکرمؐ نے پیشگوئی کی کہ ان کی شناخت کی نشانی یہ ہے کہ سورج اور چاند کو ایک ہی رمضان میں گرہن لگے گا چنانچہ ۱۸۹۴ میں رمضان میں دونوں کو گرہن لگا۔ اگر اس آسمانی نشان کے ظہور کے بعد حضرت مرزا صاحب دعوے کرتے تو اور بات تھی لیکن آسمانی نشان مرزا صاحب کے دعولے سے بارہ سال بعد ظہور میں آیا۔

چنانچہ مجدد صاحب الف ثانی نے اپنے ایک مرید کو اس کے خط کے جواب میں لکھا کہ مہدی کے ظہور کی نشانی یہ ہے کہ سورج اور چاند کو ایک ہی رمضان کے مہینہ میں گرہن لگے گا اگر یہ نشانی ظاہر ہو گئی تو جس شخص نے تمہارے ملک میں مہدویت کا دعویٰ کیا سچا ہے ورنہ نہیں۔

تفسیرِ حسن بیان سے چند ضروری اقتباسات

یہ تفسیر عام فہم سلیس اور رواں اردو میں لکھی گئی ہے۔ مطالعہ کو جو باتیں پریشان کرتی ہیں وہ اس سے خارج رکھی گئی ہیں۔ مثلاً سابقہ تفسیروں کے لمبے چوڑے حوالہ جات، لغوی، صرفی، نحوی، منطقی بحث۔ لیکن ضروری احکام کی سیر کن تشریح کی گئی ہے۔ اور ترجمہ میں ہلالین یعنی بریکٹ میں ایک دو لفظ زائد کر کے دل میں جو سوال پیدا ہو سکتا ہے اس کو صاف کیا گیا ہے۔ مثلاً :۔

(۱) قل هو الله احد الله الصمد (سورۃ اخلاص) عام ترجمہ اللہ ایک ہے اللہ بے نیاز ہے۔ سوال کس سے کس طرح۔ ترجمہ حسنِ بیان۔ کہہ دے اللہ ذات یکتا ہے اور (سب حاجات سے) بے نیاز ہے۔

(۲) ولا تجعلوا الله عرضة لایمانکم ان تبروا و تتقوا۔ لفظی ترجمہ:۔ اللہ کو اپنی قسموں کے لئے رکاوٹ بناؤ۔ یہ کہ نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں کے لئے۔ ترجمہ حسنِ بیان:۔ اپنی قسموں کی وجہ سے اللہ (کے نام) کو لوگوں کے ساتھ نیکی اور پرہیزگاری کرنے کے لئے روک نہ بناؤ۔

(۳)۔ ربنا لا تحمل علینا اصراً کما حملته علی الذین من قبلنا ربنا ولا تحملنا ما لا طاقة لنا به۔ ترجمہ۔ اے رب ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال جیسے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا اور ایسا بوجھ نہ ڈال جس کی

طاقت ہم میں نہیں۔ سوال پہلے اور دوسرے میں کیا فرق ہے۔ حسن بیان کا ترجمہ:۔ پہلے میں بریکٹ میں (احکام کا) کے لفظ بڑھا کر معنی اور واضح کر دیئے۔ اور دوسرے میں (مصیبت کا) یعنی وہ مصائب جو قضا اور قدر کے ماتحت وارد ہوتے ہیں۔ مصائب کا آنا سنت الٰہی ہے اور اس دُعا کی ضرورت اس لئے ہے کہ بعض وقت مصائب میں انسان کا قدم متزلزل ہو جاتا ہے۔ اور مومنوں کے ازدیاد ایمان کے لئے مصائب کے دور سے گذرنا بھی ضروری ہے۔ یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک وبالاخرۃ ھم یوقنون۔ بعض جدت پسند مفسر یہاں آخرت کے معنی آخری وحی کرتے ہیں اور پیچھے آنے والی موعود باتیں۔ دونوں معنی غلط ہیں۔ آخرۃ کے معنی محاورہ قرآن کریم کے لحاظ سے اُخروی زندگی مراد ہے اور سورۃ فاتحہ سے سورۃ الناس تک سارے قرآن کریم میں سوائے اس معنی کے کسی اور معنی میں یہ لفظ استعمال نہیں ہوا ہے۔ اور سارے قرآن میں دنیاوی زندگی کے مقابلہ میں آخرت کا لفظ آیا ہے اور ایک جگہ دار الآخرۃ کہکر صاف واضح کر دیا ہے کہ قیامت بھی اس سے مراد نہیں۔ قیامت جب مراد لیا گیا ہے تو قرآن کریم میں یوم الآخرت استعمال ہوا ہے۔

رسول کریم ؐ کے بعد وحی نبوت بند ہے۔ اور کسی مومن بلہ وحی کی انتظار نہیں۔ نہ کوئی حکم ہے اگر ہے تو یہ حکم ہے جس میں آخری وحی کا کوئی ذکر نہیں۔ یایھا الذین امنوا آمنوا باللہ ورسولہ والکتب

الذی انزل علیٰ رسول۔ والکتٰب الذی انزل من قبل و من یکفر باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الاخر فقد ضلّ ضلٰلاً بعیداً (سورۃ النساء پارہ ۵ رکوع ۱۷)

بعض مشکل مسائل کو بڑے مختصر نوٹوں میں واضح اور عام فہم پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے۔ چند ضروری نوٹوں کو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ ان حوالہ جات میں اوپر کے ہندسہ سے مراد سپارہ ہے اور نیچے کے ہندسہ سے رکوع مثلاً $\frac{۲۵}{۱۷}$ سے مراد ہے پارہ ۲۵ رکوع ۱۷ = $\frac{۲}{۶}$ سے مراد پارہ ۲ رکوع ۶۔

طلاق $\frac{۲}{۱۴-۱۵}$ آیات ۲۲۸ تا ۲۴۱:۔

طلاق سب قوموں میں مروّج ہے مگر اختلاف کے ساتھ قرآن کریم نے اگرچہ اس کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ مگر پھر بھی علماء کی آراء اس میں مخلوط ہو کر قباحت کا موجب ہو رہی ہیں۔ اس لئے میں مختصراً یہاں بیان کرتا ہوں۔

طلاق عورت کو طہر کی حالت میں دینی چاہیئے تین طہر تک مطلقہ اپنے شوہر کے گھر رہے۔ اس عرصہ کو عدّت کہتے ہیں۔ یہ تین طہر ان عورتوں کی عدّت ہے جن کو حیض آتا ہو۔ اگر کسی عورت کو حیض نہیں آتا۔ تو اس کی عدّت تین ماہ ہے۔ اور اگر حاملہ ہے تو اس کی عدّت وضع حمل ہے۔ اس عدّت کے اندر شوہر کو اختیار ہے۔ کہ عورت کو بغیر جدید نکاح کے رکھ لے۔ بشرطیکہ نیّت اصلاح ہو۔ اور عورت تنگ کرنا مقصود نہ ہو۔ اگر عدّت گذر گئی ہے اور بعد ازاں شوہر چاہتا ہے کہ مطلقہ کو واپس لے۔ تو جدید نکاح اور جدید

مہر کے ساتھ رکھ سکتا ہے۔ بشرطیکہ عورت راضی ہو۔ اگر زوجین کے
درمیان پھر کبھی نزاع ہو کہ شوہر نے طلاق دے دی ہے۔ تو پھر بھی پہلی
صورت کی طرح مطلقہ کو واپس رکھ سکتا ہے۔ مخالفت کی صورت اگر
زوجین میں پھر پیدا ہو کہ شوہر نے طلاق دیدی ہے۔ تو اس تیسری طلاق
کے بعد شوہر کو نہ بغیر نکاح جدید اور نہ بہ نکاح جدید عورت کو اپنی زوجیت
میں لینے کا اختیار ہے۔ ہاں اگر اس مطلقہ ثلاثہ سے کسی اور شخص نے نکاح
کیا۔ اور اس نے کسی وقت طلاق دے دی تو پہلے شوہر کے ساتھ
اس کا نکاح بہ تراضی طرفین ہو سکتا ہے۔ عورت بھی طلاق لے سکتی ہے
مگر دے نہیں سکتی۔ اگر بدسلوکی شوہر کی طرف سے ہے۔ تو شوہر مہر یا
اس کا کوئی حصہ واپس نہیں لے سکتا۔ اور اگر عدم موافقت خود عورت
کی طرف سے ہے تو جملہ مہر یا اس کا کوئی حصہ شوہر کو واپس دے
کر طلاق لے سکتی ہے۔ اس صورت کی جدائی کو خلع کہتے ہیں۔ اور یہ خلع
قاضی یا جج کے فیصلہ سے عمل میں آتا ہے۔ اگر نکاح کے وقت شوہر
نے عورت کو اختیار دے دیا ہے کہ وہ اپنے اختیار سے طلاق
لے سکتی ہے۔ تو اس صورت میں قاضی یا جج تک قضیہ لے جانے کی
ضرورت نہیں۔

عورت مہر سے بغیر ازتکاب زنا محروم نہیں ہو سکتی۔ اور نہ گھر سے
نکالی جا سکتی ہے مسلمانوں میں یہ رواج ہو گیا ہے کہ وہ تین طلاقیں
ایک ہی دفعہ دے دیتے ہیں اور اس کو تین طلاقیں محسوب کر کے اس

اس طلاق کو بائن قرار دیتے ہیں۔ یعنی ایسی طلاق جس کے بعد رجوع کا حق نہیں رہتا یہ قرآن کریم اور حدیث کے خلاف ہے۔ اور جیسا کہ نبی صلعم نے فرمایا ہے۔ یہ شریعت کے ساتھ ہنسی ہے۔ عورتوں کو طلاق لینے کا جو اختیار دیا گیا تھا اس کو فقہا نے ایسا مقید کر دیا ہے کہ کوئی عورت آسانی سے طلاق نہیں لے سکتی اور ہندوستان میں اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ عورتیں جب تنگ آتی ہیں تو نکاح کو فسخ کرنے کے لئے آریہ یا عیسائی بن جاتی ہیں، یہ نقصان عظیم دیکھتے ہوئے زعمائے قوم نے اب تک اس کا کوئی تدارک نہیں کیا۔ ایک اور قبیح رواج نا فہم مسلمانوں میں رائج ہے کہ تین طلاقیں جمع کر کے طلاق کو بائن بنا لیتے ہیں۔ چونکہ ایسی عورت سے پشیمان ہو کر دوبارہ نکاح نہیں کر سکتے اس واسطے قرآن کریم کی اس شرط کو کہ حتّٰی تنکح زوجاً غیرہ اس شکل میں پورا کرتے ہیں۔ کہ عورت کا فرضی نکاح کسی مرد سے کرا کر پھر اس سے طلاق دلا دیتے ہیں۔ اور پھر خود نکاح کر لیتے ہیں۔ اس قباحت کا نام حلالہ رکھا ہوا ہے۔ یہ رسم ایام جاہلیت سے چلی آتی تھی۔ رسول صلعم نے حلالہ کرنے والے اور حلالہ کرانے والے پر لعنت کی ہے اور حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا کہ اگر میرے پاس حلالہ کرنے والا یا کرانے والا لایا جائے تو میں دونوں کو سنگسار کروں گا۔ قرآن کریم ایسے نکاح جو حلالہ کی نیت سے یا ایک میعاد معین کے لئے کیا جائے جائز نہیں رکھتا۔ میعادی نکاح کو متعہ کہتے ہیں۔ جو جائز نہیں۔ اگر عورت کو قبل از

صحبت طلاق دی جائے تو مہر اگر معین ہو چکا ہے۔ تو مہر نصف دینا لازم آتا ہے۔ اور اگر مہر معین نہیں ہو چکا تو کوئی رقم بطور مہر دینی لازم نہیں آتی۔ ہاں تبرعاً ایک مطلقہ کو رخصت کے وقت کچھ دے دینا چاہیئے۔ بیوہ کی عدت جس کا ذکر مسئلہ طلاق کے درمیان آگیا ہے چار ماہ دس دن ہے اس عرصہ میں بیوہ کا خطبہ ناجائز ہے۔ تعریضاً اس کے دل میں خیال ڈال دینا مضائقہ نہیں۔ عدت میں نہ نکاح کیا جائے نہ نکاح کا پیغام دیا جائے اس عدت میں بیوہ اپنے مکان سے نہ نکلے۔ اس عدت کی غرض یہ ہے کہ بیوہ اگر حاملہ ہے تو حمل ظاہر ہو جائے۔ چار ماہ میں بچہ کی حرکت سے حمل نمایاں ہو جاتا ہے۔ دس دن احتیاطاً بڑھا دیئے گئے ہیں۔ بیوہ کی عدت کو مطلقہ کی عدت سے ایک ماہ بڑھا دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ احتمال ہے کہ متوفی نے اس طہر میں جس کے ابتدا میں طلاق دی جاتی ہے اور وہ اس میں مر گیا ہے اپنی عورت سے صحبت کر لی ہو۔ اس طہر کو محسوب نہ کیا جائے تو باقی میعاد تین ماہ رہ جاتی ہے۔

جنگ کے درمیان جس کا تعلق تمدن سے ہے اور جس میں ہر وقت موت سامنے نظر آتی ہے۔ نکاح اور طلاق کے مسائل جن کا تعلق منزلی اصلاح سے ہے سکھائے گئے ہیں۔ انسان کی عملی اور اخلاقی اصلاح کے لئے جنگ کے دوران سے بہتر موقع نہیں ہو سکتا۔ اس امر کی کوئی نظیر نہیں کہ کسی قوم نے دس سال کے عرصہ میں تمدنی اور منزلی امور میں انتہائی ارتقاء حاصل کیا ہو۔ امن کی حالت میں انسان اپنی ذاتی

اصلاح بہت کم کرسکتا ہے۔ اور اس کے لئے دہائیاں نہیں صدیاں ضروری ہوتی ہیں۔ نمازوں کا ذکر بھی انہی مسائل کے درمیان کر دیا ہے کیونکہ یہ تزکیہ نفوس میں سریع الاثر ہے۔ یہ بھی جنگ کی اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونے کی دہشت پیدا کرتی ہے۔

سورۃ طلاق ۶۵/۱ آیت ۱تا۹:—

ان آیات میں طلاق کے مسائل ہیں اور وہ حسب ذیل ہیں (۱) مطلقہ کی عدت تین طہر ہے۔ طلاق طہر کے آغاز میں جس میں صحبت نہ ہوئی ہو دینی چاہیئے۔ تاکہ وہ طہر عدت میں شمار ہو سکے۔ حدیث میں بھی ہدایت آئی ہے۔ رواج پڑ گیا ہے کہ تین طلاقیں جن کے بعد زوجہ کو پھر رجوع کر کے نہیں رکھ سکتا ایک ہی وقت میں دیدیتے ہیں۔ یا ہر ایک طہر میں ایک ایک طلاق دیتے ہیں۔ یہ دونوں خلاف سنت ہیں۔ اس میں مفصل بحث سورہ بقرہ میں ہو چکی ہے۔ (۲) عدت میں مطلقہ کو گھر سے نہیں نکالنا چاہیئے۔ اور نہ خود نکلے۔ مگر درصورتے کہ کوئی ایسا جرم کرے جس کی سزا کے لئے اس کا نکالنا ضروری ہو گھر میں رہنا اس واسطے ضروری ہے کہ شاید باہم راضی ہو کر شوہر رجوع کرلے (۳) جب عدت ختم ہونے پر آوے تو شوہر کو اختیار ہے کہ اس کو زوجیت میں رکھ لے یا حسنِ سلوک کے ساتھ رخصت کر دے اور طلاق اور رجعت دونوں پر گواہ ٹھہرا لے۔ گواہوں کو موقع پر شہادت ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور زوجین کو باہمی حقوق کی حفاظت پر ترغیب

دی ہے۔ اور فرمانبرداری پر مشکلات منزلی اور رزق کی تنگی سے نکالنے کا وعدہ کیا ہے۔ (۴) جو عورتیں حیض سے مایوس ہو چکی ہوں یا ان کو حیض نہ آتا ہو ان کی عدت تین ماہ ٹھری ہے۔ اور جو حاملہ ہوں اُن کی عدت وضع حمل ہے۔ مطلقہ کے لئے صرف مسکن اور حاملہ کے لیے مسکن اور نفقہ شوہر کے ذمہ ہیں۔ اس کی حیثیت کے موافق۔ اگر وضع حمل کے بعد ماں اپنے بچہ کو دودھ پلانے پر راضی ہو تو اُس کی اُجرت شوہر کے ذمہ ہے اگر وہ نہ چاہے تو اور مرضعہ اُجرت پر رکھ لی جاوے (۵) آیت ۹ میں حکم سے سرکشی کرنے والوں کو تحذیر کی ہے اور صالحین کو تبشیر۔ آیت ۱۰ و ۱۱ میں ذکر جو رسول کا بدل منہ ہے اس کا ترجمہ ہے یاد دلانے والا۔

وراثت - ۲ آیت ۱۸۰

مفسرین عموماً اس آیت کو آیت ۱۱ سورۃ النساء سے اور دو حدیثوں سے جن میں سے ایک میں یہ حکم ہے کہ وارث کے حق میں وصیت نہ کی جاوے اور دوسرے میں یہ حکم کہ ثلث مال سے زیادہ کی وصیت نہ کی جاتے منسوخ سمجھتے ہیں۔ مگر اس کو منسوخ قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ اگر اس آیت کا مفہوم یہ قرار دیا جاتے کہ ایک شخص پر جس کے پاس مال کثیر ہو یہ فرض کر دیا گیا ہے۔ کہ اپنے ورثاء کو جس سے والدین اور اقربین مراد ہیں کچھ معروف وصیت اپنی موت کے قریب پر کر جاوے لفظ معروف جس کو وصیت کے ساتھ بطور شرط لگا دیا گیا ہے۔ اس کی

تشریح احادیث نے کر دی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ وارث کے حق میں وصیت نہ ہو۔ اور نہ ثلث مال سے زیادہ ہو۔ اس صورت میں نسخ کے لئے گنجائش نہیں۔

لین دین۔ ؎ آیت ۲۸۲۔ سورۃ البقرہ:۔

قرآن کریم میں یہ سب سے لمبی آیت ہے۔ تداین کی صورت میں مال کی حفاظت کا قانون بیان کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ (۱) معاہدہ تحریر میں لانا چاہیئے۔ (۲) کاتب لکھے عدل کے ساتھ۔ متعاقدین سے کسی کا حق نقصان نہ کرے۔ (۳) کاتب لکھنے سے انکار نہ کرے (۴) املاء کرائے جس کے ذمہ حق ہو۔ اور اللہ سے ڈرے۔ دوسرے فریق کے حق میں کمی نہ کرے (۵) اگر جس پہ حق ہے وہ سفیہ ہو یا املا نہ کرا سکتا ہو تو اس کا ولی املا کرائے۔ انصاف کے ساتھ۔ (۶) دو مرد اپنوں میں سے گواہ بنا لو۔ (۷) اگر دو مرد نہ ملیں تو ایک مرد اور دو عورتیں جن کو پسند کرو۔ (۸) گواہ بلائے جائیں تو انکار نہ کریں۔ (۹) معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا بہ قید معیاد لکھنے میں سستی نہ کریں۔ اللہ کے نزدیک یہ بہت انصاف کی بات ہے (۱۰) اگر لین دین دست بدست ہے۔ تو تحریر ضروری نہیں۔ مگر بیع و شراء کے وقت گواہ رکھ لینے چاہئیں (۱۱) کاتب یا شہید کسی کو ضرر نہ پہنچایا جائے۔ (۱۲) اگر سفر میں کاتب نہ ملے تو کوئی چیز رہن یا قبضہ کر لینی چاہیئے (۱۳) اگر یہ بھی میسر نہ ہو تو قرض کو امانت سمجھنا چاہیئے۔ امین کو چاہیئے کہ امانت ادا کرے۔ (۱۴) ضرورت کے وقت گواہی

کو نہیں چھپانا چاہیئے۔

خاتم النبیین۔ پ۳ آیت ۸۱ میثاق النبیین :-

ان آیات میں اس میثاق کا ذکر ہے جو جملہ انبیاء سے خاتم النبیین صلعم کی نسبت لیا گیا تھا۔ اس میں رسول سے مراد حضرت محمد صلعم خاتم النبیین ہیں۔ اور کتاب سے مراد وہ مختص الزمان اور مختص القوم شریعت ہے جو انبیاء کو دی گئی تھی۔ اور حکمت سے مراد وہ منہاج ہے جو ہر ایک امت کو عمل کرنے کے لئے دیا گیا تھا۔ اور اصر سے مراد اس رسول پہ جس کے متعلق عہد لیا گیا ہے۔ ایمان لانا اور اس کی نصرت کرنا ہے۔ انبیاء سے جو میثاق لیا گیا تھا وہ درحقیقت اُن کی اُمم کے متعلق تھا۔ چونکہ وہ رسول کافۃ للناس کے لئے تھا اس واسطے ہر نبی کی امت پر اگر اس رسول کی بعثت پر دنیا میں پائے جاتے ہوں یہ لازم کر دیا گیا تھا کہ وہ اس رسول پر ایمان لاویں اور اس کی نصرت کریں۔ سورۃ اعراف کی آیت ۱۵۷ میں اس نبی کے یہ اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔ نبی امی۔ توریت اور انجیل میں اس کا ذکر مکتوب ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہے۔ طیبات کو حلال کرتا ہے اور خبیث اشیاء کو حرام کرتا ہے اور اغلال اور اصر کو لوگوں سے اتارتا ہے۔ میری بحث یہاں صرف لفظ اصر سے ہے جو آیت ۱۵۷ میں نبی میثاق کے اوصاف میں کیا گیا ہے۔ اور آیت ۸۰ میں لفظِ اصر بمعنی بھاری بوجھ کی تشریح ایمان اور نصرت سے کی گئی ہے تو اس کا ماحصل یہ ٹھہرا کہ نبی میثاق لوگوں سے بھاری بوجھ یعنی ایمان لانا اور نصرت کرنا اُتار دے گا۔ کیونکہ وہ

خاتم النبیین ہوگا۔ اور اس کے بعد کوئی ایسا نبی آنے والا نہیں ہوگا جس پر ایمان لاکر نصرت کرنا فرض ہو۔ اس میں محمد رسول اللہ صلعم کے ختم نبوت پر صریح اشارہ ہے۔ بعض فرقے کہتے ہیں کہ نبوت ایک انعام تھا جو اُمم کے افادہ کے لئے چلا آتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ انعام کس طرح بند کیا۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ ایک سخت بوجھ تھا جو امتوں کے ذمہ چلا آتا تھا۔ اور جس پر عمل نہ کرنے سے کفار مومنوں سے بڑھ جاتے تھے اور اصحاب النار میں داخل ہوجاتے تھے۔ اب یہ بوجھ اُمتوں سے اتار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمت میں داخل کرتا ہے۔ مسلمان اس بوجھ سے ہلکے ہوگئے ہیں اگر مسلمانوں میں مومن یہ مبعوث ہوتے تو اُن میں سے لاکھوں کافر ہوکر مرتے۔ یہ عجب بات ہے کہ جو فرقہ خاتم النبیین کے بعد انبیاء کی بعثت کا قائل ہے اُن پر حجت قائم کرنے کے لئے انہیں میں سے کئی افراد پیدا ہوگئے ہیں کہ وہ نبوت کا دعوےٰ کرتے ہیں۔ مگر وہ فرقہ ان کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتا۔ گویا کہ وہ ان کی بعثت کو باطل سمجھتے ہیں۔ بجائے اس کے کہ اپنے باطل عقیدہ کے خلاف اس آیت سے کوئی فائدہ اُٹھاتے اپنی تائید کے لئے اس میں سے ایک دلیل پیدا کرلی ہے کہ ان آیات میں جس رسول کے متعلق جملہ انبیاء سے میثاق لیا گیا تھا اُن میں محمد صلعم بھی شامل ہیں۔ کیونکہ لفظ النبیین میں وہ بھی داخل ہیں اور وہ رسول حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہیں۔ جنہوں نے مسیح موعود اور مہدی معہود ہونے کا دعوےٰ کیا تھا۔ اگرچہ حضرت میرزا صاحب موصوف نے اپنی کتاب حقیقۃ الوحی میں لکھا ہے کہ جس رسول کے متعلق میثاق لیا گیا تھا وہ حضرت محمد رسول اللہ صلعم ہیں جیسا

بھی اس کو نظر انداز کر کے اپنی تائید میں کہ النبیین میں جن کا ذکر ہے محمد صلعم شامل ہیں۔ ایک اور آیت ۷ سورۃ احزاب سے استدلال کرتے ہیں وہ آیت یہ ہے واذ اخذنا من النبیین میثاقھم ومنک من نوح و ابراھیم وموسیٰ وعیسیٰ ابن مریم واخذنا منھم میثاقاً غلیظاً۔ کہتے ہیں یہ وہی میثاق ہے جس کا ذکر آیت ۸۰ آل عمران میں ہے۔ اور اس میں چونکہ محمد صلعم شامل ہیں جیسا کہ منک کے لفظ سے ظاہر ہے تو النبیین میں بھی شامل ہیں جو آیت ۸۰ میں مذکور ہیں۔ ان دونوں میثاقوں کو ایک میثاق قرار دے کر جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ اس واسطے غلط ہے کہ یہ دونوں میثاق ایک نہیں بلکہ جدا جدا ہیں۔ پہلا میثاق تو ایک آخر میں آنے والے نبی پر ایمان لانے اور نصرت کرنے کے متعلق ہے اور دوسرا میثاق تبلیغ رسالت کے متعلق ہے جس میں نبی آخر الزمان بھی شامل ہیں۔ سورۃ احزاب کی آیت ۷ کے بعد آیت ۸ سے اس امر کی تشریح ہو جاتی ہے کہ میثاق کیا تھا۔ آیت یہ ہے لیسئل الصادقین عن صدقھم واعد للکفرین عذاباً الیماً یعنی یہ میثاق اس واسطے لیا گیا تھا کہ اللہ تعالےٰ صادقین یعنی انبیاء سے اُن کے صدق یعنی تبلیغ رسالت کی بابت سوال کرے اور باوجود تبلیغ رسالت کے جن لوگوں نے ان کی رسالت سے انکار کیا ہے انکو دردناک عذاب دے۔ یہ سورۃ احزاب جس میں میثاق دوم کا ذکر ہے تبلیغ رسالت کی تاکید سے شروع ہوتی ہے اور یہ کہ اس امر میں کسی منافق اور کافر کے اعتراض کی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے اور اللہ تعالےٰ پر توکل کرنا چاہیئے۔ چنانچہ مجمعہ

امور کا ذکر کر دیا گیا ہے لوگوں میں جن کا چرچا تھا - اور پھر اس میثاق کا ذکر کر دیا ہے ﴿

پانچ نمازوں کے اوقات - ۲۶/۲ آیات ۳۹ - ۴۵ :-

مکی زندگی ہے اور اہلِ مکہ کے گفتار اور کردار سے ہر وقت رنج پہنچتا ہے. اس کے ازالہ کے لئے اللہ تعالے نے جو نسخہ تجویز کیا ہے وہ یہ ہے۔ طلوعِ آفتاب سے پہلے اور غروب سے پہلے (فجر و عصر) اور رات کا کچھ حصہ (شام یا عشا) اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد کر یعنی نماز پڑھ اور نمازوں کے بعد بھی ضدا یاد رہے - اور اے مخاطب سُن ایک دن آنے والا ہے کہ ابو سفیان کا قاصد اہلِ مکہ کو قریب سے پکارے گا کہ کاروان کی جو شام سے آرہا ہے نصرت کرو اور یہ حق کی آواز ہو گی - اہلِ مکہ اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوں گے اور بدر کے میدان میں مارے جاویں گے - اور اسیر ہونگے۔ بدر کی جنگ اور اس کا واقعہ مشہور ہے - یہاں اس قدر ذکر کر دیا جاتا ہے کہ ابو سفیان کا کاروان شام کی تجارت سے واپس آرہا تھا - ابو سفیان نے اس خوف سے کہ ایسا نہ ہو کہ مدینہ کی حد سے گذرے تو مسلمان اس کو لوٹ لیں اہلِ مکہ کے پاس کمک کے لئے قاصد بھیجا تھا - اہلِ مکہ قریباً ایک ہزار کا لشکر تیار کر کے روانہ ہوئے - کاروان تو سلامت نکل گیا تھا مسلمانوں کیساتھ جو اہلِ مکہ کے لشکر کی خبر سُن کر مدینہ سے نکلے تھے جنگ پیش آگئی - یہ پہلی تباہی تھی جو اہلِ مکہ کو پیش آئی - اور حضرت رسولِ صلعم کی صداقت کے لئے برہان ہو گئی - کفار کا یہاں مرنا اور دلوں کی زندگی کا باعث ہو گیا - یہاں نمازوں

کے اوقات کا ذکر آگیا ہے اور اس وقت ایک فریق ایسا پیدا ہوگیا ہے جس کے نزدیک اوقاتِ صلوٰۃ تین ہیں۔ اس واسطے ضرورت متقاضی ہے کہ اس پر بحث کی جاوے۔ کیونکہ جمہور کے نزدیک اوقاتِ صلوٰۃ پانچ ہیں قرآن کریم میں جہاں جہاں اوقات کا ذکر آیا ہے میں ان کو نیچے ذکر کر دیتا ہوں۔

۱۔ اقم الصلوٰۃ طرفی النہار وزلفا من الیل (ہود آیت ۱۱۴)
اگر نہار سے سارا دن مراد لیا جاوے تو اس سے تین وقت ثابت ہوتے ہیں۔ صبح۔ عصر۔ عشا۔

۲۔ اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس الی غسق الیل وقرآن الفجر (اسریٰ آیت ۷۸) اس میں تین اوقات کا ذکر ہے ظہر۔ عشا۔ فجر۔

۳۔ وسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس وقبل غروبہا ومن انآئ الیل فسبح واطراف النہار لعلک ترضیٰ (طٰہٰ آیت ۱۳۰) اس میں پانچ اوقات کا ذکر ہے۔ صبح۔ عصر۔ شام۔ ظہر و عشا۔

۴۔ فسبحان اللہ حین تمسون وحین تصبحون ولہ الحمد فی السمٰوات والارض وعشیا وحین تظہرون ۰ (روم آیت ۱۷) اس میں چار اوقات کا ذکر ہے۔ شام۔ صبح۔ عصر۔ ظہر۔

۵۔ سبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس وقبل الغروب ومن الیل فسبحہ وادبار السجود (ق آیت ۳۹-۴۰) اس میں تین اوقات کا ذکر ہے۔ صبح۔ عصر۔ عشا۔

۶۔ وسبح بحمد ربک حین تقوم ومن الیل فسبحہ وادبار

النجوم (الطور آیت ۴۸ - ۴۹) اس میں بھی تین اوقات کا ذکر ہے دن کی کوئی نماز ظہر یا عصر۔ رات کی نماز۔ صبح۔

ان سب اوقات پر جو اوپر مذکور ہوئے ہیں بہ حیثیت مجموعی نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ کے اوقات پانچ ہیں، ظہر، عصر، شام، عشا، فجر۔

نمبر ۱ میں اگر عرب کے رواج کے مطابق نہار کے دو حصے کئے جائیں تو ہر ایک حصہ کے دو اطراف سے مراد ہوتی ہے۔ صبح۔ ظہر۔ عصر اور زلفا من الیل سے شام اور عشاء۔

نمبر ۲ میں دلوک الشمس میں دو اوقات آجاتے ہیں ظہر و عصر۔ اور غسق الیل میں بھی دو اوقات درج ہیں شام و عشا۔ یہ ہوئے پانچ اوقات۔

نمبر ۳۔ اس میں آناء الیل میں دو اوقات درج کر دیئے ہیں شام اور عشاء۔ اس صورت میں بھی پانچ اوقات ہوگئے۔

نمبر ۴ اس میں حین تمسون میں عشاء کا وقت درج کر دیا ہے۔ یہ بھی پانچ اوقات ہوئے۔

نمبر ۵۔ اس میں قبل الغروب میں دو اوقات شامل کر دیئے ہیں۔ ظہر اور عصر اور من الیل میں بھی دو اوقات مدغم ہیں۔ شام و عشا۔ یہ بھی پانچ اوقات ہوئے۔

نمبر ۶۔ اس میں حین تقوم میں دو وقات ظہر اور عصر جمع کر دیئے ہیں اور من الیل میں شام اور عشاء یہ بھی پانچ اوقات ہوئے۔

اس میں شک نہیں ہو سکتا کہ اوقاتِ صلوٰۃ تو پانچ لکھے ہیں مگر بعض جگہ ظہر اور عصر کو ایک لفظ میں جمع کر دیا ہے اور بعض جگہ شام اور عشاء کو جمع کر دیا ہے اور اس سے رسول اللہ صلعم نے جن پر قرآن کریم نازل ہوا ہے یہ استنباط کیا ہے کہ ان دو دو نمازوں کو تقدیماً و تاخیراً ایک وقت میں جمع کر کے پڑھنا جائز ہے اور یہ ایسی معقول بات ہے جس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ جہاں دو دو صلوٰۃ کے اوقات کو جمع کیا ہے ان کے نام جُدا جُدا بھی ذکر کر دیئے ہیں، تاکہ یہ شبہ نہ پڑے کہ اوقات تین ہیں۔ احادیث اور تواتر اس کے مؤید ہیں۔ تواتر سے انکار کرنے سے اسلام کا بہت سا حصہ ہاتھ سے جاتا ہے۔

بعثتِ رسل۔ انبیاء اور مجددین میں فرق۔ ۱۰۱۱

رکوع ۳ و ۴ میں وہ احکام بیان ہوتے ہیں جو جملہ بنی آدم سے تعلق رکھتے ہیں اور بعثت رسل بھی جو آیت ۳۵ میں بیان کی ہے بنی آدم میں سے منصوص ہے نہ مومنین میں سے اور اس آیت غیر شرعی انبیاء کے آنے کا کوئی ذکر نہیں۔ اللہ تعالےٰ نے یہاں جہاں مصلحین کی بعثت کا ذکر کیا ہے وہاں رسول کا لفظ استعمال کیا ہے جو قرآن کریم کی اصطلاح میں نبی اور مجدد کے درمیان مشترک ہے جس سے مراد یہ ہوتی کہ جدید شریعت کی ضرورت پیش آتی ہے تو شارع نبی مبعوث ہوتے ہیں۔ جن کی نبوت حقیقی ہوتی ہے۔ اور اگر شریعت کے احکام میں کچھ غلطیاں پیدا ہو گئی ہیں جو امت کے لئے مضر ہیں تو مجددات بفتح دال یا مجدد کہو مبعوث ہوتے ہیں جن کو مجازاً نبی کہہ سکتے ہیں کہ ان میں الہام

جو قوی شعبۂ نبوّت سے پایا جاتا ہے۔

شہاب ثاقب۔ ۷۳ سورۃ الجن آیت ۹ تا ۱۸ :۔

آیات ۹ تا ۱۸ ا شہب ثاقب جو ہمیں رات کو روشن ہو کر جلد بجھ جاتے ہیں۔ ان کی پیدائش کے متعلق اور ان کے کام کے متعلق ماہران علوم طبعی باوجود تلاش اب تک کسی صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچے۔ جب ان کے متعلق ان کے پاس کوئی یقینی علم نہیں سوائے ظنون کے تو ان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اگر قرآن کریم یہ بیان کرے کہ وہ کس کام میں لگے ہوئے ہیں تو اس پر کوئی اعتراض کریں۔ قرآن کریم کا فیصلہ سیاروں کے متعلق بلکہ جملہ کائنات کے متعلق یہ ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملائک بطور محافظ یا مدبر مقرر ہیں۔ ان کل نفس لما علیھا حافظ۔ یعنی ہر ایک نفس کی روحانی حفاظت کے لئے ملائک مقرر ہیں اللہ تعالےٰ نے کئی مواقع پر ملائک کو مدبرالامر کے لفظ سے یاد کیا ہے۔ یعنی امور کی تدبیر ہی کرتے ہیں ان کا تعلق سیاروں سے بطور جسم اور جان ہے۔ سیارے خود ممیز نہیں ان سے کام لینے کے لئے ممیز ہستی کی ضرورت تھی۔ جو کام سیاروں کی طرف منسوب کیا جاتا ہے وہ بھی درحقیقت ملائک کرتے ہیں جو ان کے محافظ ہیں۔ سورۃ الملک میں اللہ تعالیٰ نے سیاروں کے متعلق فرمایا ہے وجعلنا ھا رجوما للشیاطین اگرچہ رجم الشیاطین کو اللہ تعالےٰ نے سیاروں کی طرف منسوب کیا ہے مگر رجم کرنے والے ملائک ہیں جو شیاطین کو رجم کرنے کا سامان کرتے ہیں۔ اس آیت میں رجم سے کیا مراد ہے اور شیاطین سے کیا سو

اس کا تصفیہ اللہ تعالےٰ نے سورۂ جن کی اس آیت میں کیا ہے۔ وانّا

لمسنا السماء فوجدناھا ملئت حرسًا شدیدًا و شھبًا

وانا کنا نقعد منھا مقاعد للسمع فمن یستمع الآن یجد له

شھابًا رصدًا یعنی ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو اس کو سخت چوکیداروں، اور

شعلوں سے بھرا ہوا پایا۔ اور ہم امور غیبیہ کے سننے کے لئے آسمان میں

گھات میں بیٹھا کرتے تھے اور اب جب کوئی سننا چاہتا ہے تو اپنے گھات

میں ایک شعلہ پاتا ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس چیز کے ساتھ چوکیدار یا

نگہبان رجم کرتے ہیں وہ شعلہ ہے اور جن کو رجم کرتے ہیں وہ جن ہیں اور

جس امر کی روک کے لئے رجم کرتے ہیں وہ امور غیبیہ کا استماع ہے۔ سورہ

الصافات میں اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے انّا زینا السماء الدنیا

بزینة الکواکب وحفظًا من کل شیطان مارد لایسمعون

الی الملاء الاعلیٰ ویقذفون من کل جانب دحورًا ولھم

عذاب واصب الا من خطف الخطفة فاتبعه شھاب ثاقب

ترجمہ۔ ہم نے آسمانِ دنیا کو سیاروں سے مزین کیا۔ اور آسمان دنیا کو

ہر شیطانِ مارد کے دخل سے محفوظ کیا۔ ملاء اعلیٰ تک اُن کی شنوائی نہیں۔

ہر طرف سے اُن پر شعلے پھینکے جاتے ہیں دھر کائے جاتے ہیں اور

اُن کے لئے یہ دائمی عذاب ہے۔ ہاں اگر کوئی کلمہ عجلت میں اچک لیتا

ہے تو شعلہ اُس کا تعاقب کرتا ہے" اس سے بھی پایا گیا کہ اگرچہ ملاء اعلیٰ

تک جنوں کو شنوائی کے لئے رسائی نہیں مگر کائنات الجو تیں بامور غیبیہ

کی دریافت کی کوشش کرتے ہیں مگر ناکام رہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی کلمہ ان کے کان میں پڑ جائے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ امور غیبیہ کے سننے کے لئے جاتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ انتظام کائنات جو یوں ہمیشہ قائم رہتا ہے۔ البتہ کسی مامور کی بعثت پر جب جنوں کی سعی استراق السمع کے لئے بڑھ جاتی ہے تو نگہبانی بھی بڑھ جاتی ہے اب یہ سوال کہ کائنات جو میں امور غیبیہ کے معلوم ہونے کے کیا سامان ہیں اور جن ان سے استفادہ کس طرح کرتے ہیں۔ یہ ایسی باتیں ہیں کہ ان کا علم اللہ تعالےٰ کے پاس ہے۔ ہم کو جو علم دیا گیا ہے وہ وہی ہے جو مذکور ہوا۔ اور اس واقعہ کو احادیث نے بھی بیان کیا ہے۔ جو بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے اپنی کتابوں میں درج کی ہیں۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسا ہوا میں گفتگو سے ایک برقی لہر پیدا ہوتی ہے اور ایک آلہ کے ذریعہ اخذ کر لی جاتی ہے۔ اسی طرح ملائکہ کی بحث سے جو لہر کرۂ ہوائی یا ایتھر میں پیدا ہوتی ہے اس کے اخذ کی ایک قوت جنوں میں رکھی گئی ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ پیدا ہونے والی اشیاء کے جو نقشے عالم مثال میں بنتے ہیں وہ کبھی ان کے مشاہدہ میں آجاتے ہوں۔ کیونکہ یہ بھی اسی عالم کے بسنے والے ہیں۔ العلم عند اللہ۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جنوں کی الملاء الاسفل تک رسائی رہتی ہے۔

تقدیر - ۱۴/۱۲ سورت النحل آیات ۳۵-۳۶:-

کفار اعتراض کرتے ہیں کہ تمہارے عقیدے کے موافق کام سب اللہ

کی مشیت سے ہوتے ہیں تو ہمارا شرک اور ہماری تحریم بھی جس سے تم منع کرتے ہو اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ جواب دیتا ہے۔ اللہ کی مشیت اللہ کا قانون ہے جو اس عالم میں جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق یعنی انسان کو اپنے قانون سے آگاہ کرنے کے لئے رسول بھیجتا ہے بعض لوگ اس آگاہی سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اور بعض فائدہ نہیں اٹھاتے۔ جو فائدہ نہیں اٹھاتے اور اس سے بے نیازی ظاہر کرتے ہیں۔ وہ قانون ہی کی ماتحت ہلاک کئے جاتے ہیں۔ انسان کی آنکھوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کی یہی مشیت چل رہی ہے اور انسان اسی پر خود بھی عمل درآمد کرتا ہے۔ برے کو برائی کی سزا دیتے ہیں اور یہ کہہ کر اس کو معذور نہیں رکھتے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ماتحت برائی کی ہے۔ تم اللہ تعالیٰ کی مشیت کا راز سمجھو یا نہ سمجھو مگر اللہ کی تعلیم تو اس سنت الٰہی کے مطابق ہے جو تمہارے درمیان چل رہی ہے۔ تم اپنے عنصر سے جدا ہو کر اعتراض کرتے ہو۔ فللہ الحجۃ البالغۃ ؀

دجّال۔ ۱۵/۱۴ سورۃ الکہف آیات ۱۔۱۰ :۔

اس سورت کی ابتدائی دس آیات میں دجالی تعلیم کی تردید ہے۔ اسی بنا پہ رسول صلعم نے فرمایا کہ من حفظ عشر ایات من اوّل سورۃ الکہف عصم من الدجال (مسلم وغیرہ) جو شخص سورۃ کہف کی ابتدائی دس آیات یاد رکھے گا اس کو دجال سے بچایا جائے گا۔ اور ایک دوسری حدیث میں یہ الفاظ ہیں جو مسلم وغیرہ نے روایت کی ہے۔ من قرء عشر الاواخر

سورۃ الکہف عصم من فتنۃ الدجال - جو شخص سورۃ کہف کی آخری دس آیات پڑھے گا وہ دجال کے فتنہ سے بچایا جائے گا - اس سورۃ کے اول اور آخر دونوں میں عیسائیت کی تعلیم کی تردید ہے - ان احادیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عیسائی اقوام کو جن کے عقائد اور حالات کا ذکر سورۃ کہف کے ابتدا اور انتہا میں بھی ہے - احادیث میں دجال کا نام دیا گیا ہے - دجال دجل سے مبالغہ کا صیغہ ہے اور دجل کا معنے ہیں حقیقت پر پردہ ڈال دینا - جھوٹ کہنا - پس دجال کے معنے ہوئے بڑا حق پوش - یہ ایک ایسے گروہ عظیمہ پر بھی بولا جاتا ہے جو تجارت کا مال لئے پھرے - دجال کوئی ایک شخص نہیں ہے - بلکہ ایک قوم کا نام ہے جس کو کیسا موزوں نام دیا گیا ہے - کیونکہ غور سے معلوم ہوتا ہے کہ ان اقوام کے ہر ایک قول اور فعل اور مصنوعات میں دجل ہے - اگرچہ اس کی ظاہری صورت دلربا ہوتی ہے - دنیا کی یہ حالت ہے کہ ان کی طرف رجوع ناگزیر ہو گیا ہے -

موسیٰ و خضر - 15/12

حضرت موسےٰ کو جو شرعی نبی تھا ہر ایک واقعہ خلاف شرع نظر آیا اور اعتراض سے نہ رک سکا - حالانکہ اس کو خود ایسے واقعات پیش آ چکے تھے - اس کی والدہ نے اسکو صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دیا تھا تاکہ فرعون کے ہاتھ سے بچ رہے - اس وقت حضرت موسیٰ کی والدہ نے خضر کا کام کیا - اور ایک قبطی کو جو ایک اسرائیلی کو مار رہا تھا قتل کر دیا،

تاکہ اسرائیلی کو اس کے ہاتھ سے بچاتے ۔ یہاں حضرت موسیٰ نے خضر کا کام کیا ۔ اور حضرت شعیب کی لڑکیوں کے لئے ان کے مواشی کو بے اُجرت کنوئیں سے پانی کھینچکر پلا دیا ۔ یہ بھی خضر کا فعل کیا ۔ یہ تو ہوا قصہ اب سوال یہ ہے کہ مسلمان اس سے کیا استفادہ کر سکتے ہیں ۔ اول یاد رکھنا چاہئیے کہ ایک باطنی گروہ جو ظلال ملائکہ ہیں اور لوگوں کی نظروں سے محجوب ہیں ۔ اقطاب ، ابدال ، خضر کے القاب سے لوگوں کی خدمات کے لئے موجود ہوتے ہیں ۔ جب کوئی مر جاتا ہے تو بجائے اس کے کوئی اور کھڑا کر دیا جاتا ہے ۔ یہ اپنے ارادہ سے فنا ہوتے ہیں اور اللہ تعالےٰ کی مشیت کے امضا کے لئے مثل آلات ہیں ۔ ان کے کاموں میں ظاہری اسباب کا شائبہ بہت کم ہوتا ہے ان کی باطنی توجہ یا اسباب یا بلا اسباب ظاہری ایجاد کا موجب ہوتی ہے ۔ یہی سبب ہے کہ خضر نے جو کچھ کیا وہ ظاہری اسباب سے نہ تھا ورنہ لوگ اس کو مانع ہوتے یا مواخذہ کرتے چونکہ یہ لوگ معروف نہیں ہوتے اس واسطے حضرت موسےٰ کو اسکے ساتھ ملنے کا موقع بتایا گیا ۔ ورنہ وہ خود ڈھونڈھتا تو نہ مل سکتا ۔ اس قصہ میں با تدریج کے لئے سلوک کے منازل طے کرنے کا طریق بتایا گیا ہے ان لوگوں کے کاموں پر جلد بازی کے ساتھ اعتراض نہیں کرنا چاہیئے معترض علم کی بہت سی باتوں سے محروم رہ جاتا ہے ۔ ان سے وہی فائدہ اُٹھا سکتا ہے جو صبر کے ساتھ اُن کا اتباع کرے ۔ حضرت موسےٰ کے عدم صبر کا باعث یہ تھا کہ اس نے دیکھا کہ وہ خضر کے علم سے فائدہ نہیں اُٹھا

سکتا۔ وہ شارع نبی ہے اور اس کا کام ظاہر پر مبنی ہے۔ اس کو اس قدر معلوم ہو گیا کہ دنیا میں مختلف کمالات کے بندگانِ خدا موجود ہیں کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ تعلی کرے۔ اللہ تعالےٰ نے اس کو صرف اسی غرض کے لئے بھیجا تھا۔ لوگوں میں عام طور پر یہ عیب پایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مرسلین کے مقابل اپنے علم پر اکتفا کرتے ہیں۔ فلما جاءھم رسلھم بالبیّنات فرحوا بما عندھم من العلم بعض مفسروں نے غلطی سے خضر کو نبی سمجھا۔ جو کام اس نے کئے وہ نبیوں کی شان کے مناسب نہیں۔ نبی تو وہ کام کرتے ہیں جن کی پیروی اس کی اُمّت کر سکے۔ اس قصہ سے ایک مسئلہ یہ بھی حل ہو جاتا ہے کہ غیر نبی کو ایک نبی پر جزوی فضیلت ہو سکتی ہے۔ البتہ اختلاف ہے تو اس میں ہے کہ نبی کے کسی امتی کو اپنے متبوع نبی پر جزوی فضیلت ہو سکتی ہے یا نہ۔ وللناس فیما یعشقون مذاھب۔ مفسرین نے اس قصہ میں بعض غیر ضروری تشریحات کی ہیں جن کو میں نے عمداً ترک کر دیا ہے ان سے ہماری کوئی غرض پوری نہیں ہوتی بلکہ شکوک کا موجب ہوتی ہیں۔ البتہ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ اللہ تعالےٰ کے محبوب بندگان لوگوں کے لئے کئی کام صرف توجہ سے یا اسباب کے پردہ میں سے کر دیتے ہیں جو بظاہر مضر ہوتے ہیں، اور درحقیقت نفع رساں ہ

خلافتِ اسلامیہ۔ ۱۸/۱۲ آیت ۵۵-۵۶:۔

اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کے ساتھ یہ وعدہ کیا ہے

کہ جب تک قوم کے اندر ایمان اور عمل صالح رہے گا زمین پر انکی خلافت قائم رہے گی۔ ویسی ہی خلافت رہے گی جیسے بنی اسرائیل میں رہی۔ اس کا ثمر یہ ہوگا کہ اللہ تعالےٰ کے پسندیدہ دین کو استحکام حاصل ہو جائے گا خوف امن سے بدل جائے گا۔ اور مسلمان اللہ تعالےٰ کی خالص عبادت کریں گے بلا شرکت غیرے ایسے حالات کے حاصل ہونے کے بعد اگر کسی نے کفران نعمت کر کے بغاوت کی تو وہ فاسق ہوں گے۔ پس مسلمانوں کو چاہیئے کہ نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیتے رہیں اور رسول کی اطاعت کرتے رہیں تاکہ اللہ تعالےٰ اُن پر رحم کرے اور اپنے مواعید کا ایفا کرے۔ اللہ کا یہ وعدہ مشروط ہے قوم کے ایمان اور عمل صالح پر بصورت دیگر خلافت خواہ عرب کی ہو یا کسی اور ملک کی مسلمانوں میں نہ رہے گی۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس سیاسی خلافت کا وعدہ ہے وہ تیس سال رہے گی اور اس کے بعد ملوکیت ہو جائے گی۔ بنی اسرائیل میں خلافت دو طریق سے تھی سیاسی اور روحانی۔ ان میں بادشاہ بھی ہوتے اور انبیاء بھی مثلیت یہ چاہتی ہے کہ دونوں خلافتیں مسلمانوں میں بھی جاری رہیں مگر رسول صلعم خاتم النبیین ہیں جن کے بعد کوئی نبی نیا ہو یا پرانا نہیں آسکتا۔ اس واسطے بجائے انبیاء ان میں ملہم یفہما جن کو محدث بفتح وتشدید دال سے تعبیر کرتے ہیں خلیفہ یا مجدد کے لقب سے آتے رہے۔ اور یہ خلافت حضرت مرزا غلام احمد قادیانی پر ختم ہوئی۔ اور آیندہ کوئی آوے گا تو بطور مجدد آوے گا۔ یا بطور مصلح آخری خلیفہ کو مسیح کا نام دے کر احادیث میں خاص اہمیت دی گئی ہے اور اس کے

زمانہ کو اسلام کے مکرر عروج کا زمانہ بتایا گیا ہے۔ مگر اب تک تو مسلمان تنزل کی طرف جا رہے ہیں ہاں کسی امید افزا کام پر اگر نظر پڑتی ہے تو وہ یہ ہے کہ ترقی یافتہ قوموں میں اسلام پھیلتا جاتا ہے۔ یہ اس امر کے لئے ایک نشان ہے کہ پرانی مسلم قومیں جن میں ترقی کی کوئی صفت نہیں رہی دنیا سے مٹ جاویں گی یا ذلیل ہو کر رہیں گی۔ اللّٰھم مالک الملک تؤتی الملک من تشآء وتنزع الملک ممن تشآء وتعز من تشآء وتذل من تشآء بیدک الخیر انک علیٰ کل شئی قدیر۔ سلسلتین کی مماثلت میں ایک اہم مماثلت بھی پائی جاتی ہے۔ موسوی سلسلہ کی ابتداء اور انتہا میں دو دو مامور تھے۔ اول میں حضرت موسےٰ و ہارون اور آخر میں حضرت یحییٰ و مسیحؑ۔ اسی طرح محمدی سلسلہ میں بھی دو دو مامور ہیں اول میں حضرت محمد صلعم اور حضرت علی اور آخر میں مسیح اور مہدی۔ حضور نے حضرت علی کے حق میں فرمایا ہے انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ اور آخر کے متعلق کئی احادیث ہیں کہ حضرت مسیح کے ساتھ ایک مہدی ہو گا۔ جو امام صلوٰۃ ہو گا۔ حضرت مرزا صاحب نے جو مہدی بھی تھے کیونکہ ہر مامور مہدی بھی ہوتا ہے اپنے اجتہاد سے یہ قرار دیا تھا کہ وہ مہدی جو میرے ساتھ معہود تھا وہ میرے ہی وجود میں مدغم ہے مگر یہ اجتہاد صحیح نہیں معلوم ہوتا اول تو اوپر کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مہدی ایک جدا وجود ہے۔ جس حدیث سے حضرت کا مسیح ابن مریم کے نام پر آنا ثابت کیا گیا ہے اسی حدیث سے مہدی کا وجود علیحدہ ثابت ہوتا ہے اور مماثلت سلسلتین بھی یہی چاہتی ہے واللہ اعلم بالصواب۔

طریقۂ دُعا۔ پ۱۶ سورہ مریم آیت ۱ تا ۱۰ :۔
حضرت ذکریاؑ کی دعا میں قابلِ توجہ باتیں یہ ہیں جو ہر ایک داعی کو ملحوظ رکھنی چاہییں :۔
(۱) دعا تخلیہ میں ہو تاکہ خارج کی کوئی چیز یا آواز داعی کی توجہ کو اپنی طرف جذب نہ کرے۔ جملہ توجہ کا مرکز ذاتِ الٰہی ہو۔
(۲)۔ مطلوب کی تحصیل کے لئے جو اسباب ہیں ان کی نفی کرتا ہے کہ ان سے تحصیل مطلوب کی کوئی امید نہیں۔ اسباب پر تکیہ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ اپنی اور اپنی زوجہ کی عدم قابلیت بیان کرتا ہے۔
(۳)۔ اپنی گذشتہ دعاؤں کی قبولیت کا اقرار کرتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے کرم اور مسکین نوازی کا اظہار ہو۔
(۴) اپنے مطلوب کی طرف اپنی احتیاج کی ضرورت بیان کرتا ہے کہ میرے وارث نہ ہونے سے بنی عم سے مجھے خطرہ ہے کہ وہ وارث ہوں گے اور آباد سے جو علم اور دین ہم کو پہنچا ہے وہ ضائع نہ ہو۔ معلوم ہوتا ہے ان کا چلن اچھا نہ تھا۔

روحِ انسانی کی حقیقت اور جسم کا تعلق۔ پ۱۴/۳ آیت ۲۹ :۔
اس آیت میں رُوح سے رُوحِ انسانی مراد ہے جو مادی عالم سے نہیں ہے۔ اور اس کے ساتھ عقل کا جوہر آتا ہے۔ اسی رُوح کے سبب سے انسان اور حیوانات سے ممتاز ہے۔ نفس رُوح سے الگ ہستی ہے وہ جسم کے لطیف بخارات سے پیدا ہوتا ہے۔ اور روح اور قالب انسانی

کے درمیانی ارتباط کا ذریعہ ہے۔ روح بغایت لطیف غیر مادی ہے اور جسم بغایت کثیف مادی ہے۔ یہ باہم مرتبط نہیں ہو سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا ارتباط ایک اوسط درجہ کے وجود یعنی نفس سے کیا۔ جو مادی ہے۔ مگر لطیف اجزاء سے بنایا گیا ہے۔ انسان سے اسی وجود کا تزکیہ مقصود ہے۔ اس میں ملکیت اور بہیمیت دونوں کے خواص پائے جاتے ہیں۔ جسم کی زندگی بھی اسی نفس پر موقوف ہے۔ یہ جب جسم سے الگ ہو جاتا ہے تو موت واقع ہوتی ہے۔ یہ روح کے ساتھ جاتا ہے مع ایک بخارات کے لطیف جسم کے جو جسم کے اندر تیار ہوتا رہتا ہے جس کو نسمہ کہتے ہیں۔

۱۵۱ سورت بنی اسرائیل آیت ۸۵ تا ۸۸ :—

روح جس کی حقیقت کے متعلق سوال کیا گیا ہے وہ روحِ انسانی ہے۔ یہ روح مادی نہیں۔ یہ آسمانی نور ہے جس کا تعلق بدن کثیف سے بذریعہ روحِ حیوانی ہے۔ یہ دونوں کے درمیان ایک کڑی ہے۔ جب روحِ حیوانی میں اس کے اخذ کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے تو آسمان سے یہ نور نازل ہوتا ہے۔ روحِ حیوانی اس کے اندر آنے کی کھڑکی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ آفتاب کی شعاعیں ایسے مادی جسم میں متجلی ہوتی ہیں جو شفاف ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی جس قدر حقیقت سے انسان کو آگاہ کیا ہے وہ اسی قدر ہے جو انسان کے ادراک میں آ سکتی ہے۔ ورنہ انسان اس کی حقیقت پر محیط نہیں ہو سکتا۔ اور وہ یہ ہے کہ روح رب کے

امر سے ہے۔ اس کی مثال چاہو تو یہ ہے۔ بادشاہ کے امر سے ایک وزیر مقرر ہوتا ہے وہ بادشاہ کے جملہ ملک پر حکومت کرتا ہے۔ اس کا حکم بادشاہ کی طرح نافذ ہوتا ہے ۔ وہ کونسی چیز ہے جو وزیر کے اندر کام کر رہی ہے وہ بادشاہ کا امر ہے۔ جب بادشاہ اپنا امر واپس لے لیتا ہے اور اس کو معزول کر دیتا ہے تو وزیر تو وہی موجود ہے لیکن وہ چیز جو اس کے اندر ہو کر حکومت کر رہی تھی وہ نہیں رہی۔ اس کو اسی طرح تعبیر کر دگے کہ بادشاہ کا امر اس کے اندر اس سے حکومت کرا رہا تھا۔ وہ امر چلا گیا اور وزیر اس سے خالی ہو گیا۔ روح خدا کا امر ہے جو انسان کے اندر کام کر رہا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اپنا امر واپس لے لیتا ہے تو انسان کا جسم کام کرنے سے معطل ہو جاتا ہے اور سڑنے اور گلنے لگتا ہے فتبارک اللہ احسن الخالقین۔ اس کے بعد اللہ تعالےٰ نے وحی کا ذکر کیا ہے یہ بھی ایک ملکوتی چیز ہے اس کی حقیقت بھی وہی سمجھتا ہے جو ملکوت سے آتا ہے اور اس وحی کے ذریعہ کئی حقائق وحی کے بطن میں رکھے جاتے ہیں جو ناسوتی آدمی نہیں سمجھتے۔ ان کا علم موردِ وحی تک مخصوص ہوتا ہے اور مورد وحی کے مرفوع ہونے پر وہ علم بھی مرفوع ہو جاتا ہے اور کبھی ضرورت ہوتی ہے تو اس کے بروزوں کے ذریعہ دنیا میں واپس آتا ہے اور مورد وحی کے ذریعہ سے آتا ہے۔ اس سے پایا گیا کہ قرآن کے بطن میں ایسے کمالات ہیں جن کے سبب سے کوئی انسان یا جن یہ قابلیت نہیں رکھتا کہ ان کو جو اس کے فہم سے بالا تر ہیں اپنے کلام میں جمع کر سکے۔

اس کے بعد آیت ۹۰ سے ۹۹ تک چند نشانات منکرین نے طلب کیے جن کا مختصر جواب دیا گیا ہے کہ میں تو بشر رسول ہوں یہ باتیں میرے اختیار میں نہیں۔ ان کو بشر کے رسول ہونے میں استبعاد ہے مگر زمین پر اگر فرشتے بستے تو ہم فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجتے۔ دوسری بات جو ان کو بعید نظر آتی تھی وہ یہ ہے کہ چورہ ہڈیاں کس طرح مبعوث ہوں گی اس کا جواب یہ ہے کہ جس نے آسمان اور زمین بنائے وہی اس پر بھی قادر ہے منکرین کو اللہ اس سے بھی آگاہ کرتا ہے کہ نشانات پر ہدایت مرتب نہیں ہوتی۔ موسٰے کو تو نشانات دیئے گئے تھے، پر فرعون نے پھر بھی انکار کیا اور موسٰے کو جادوگر قرار دیا۔

۲۶/۱۶ سورہ ق آیات ۲ تا ۳۸ :-

قرآن مجید کو جواب قسم پر گواہ ٹھہرایا ہے اور جواب قسم کو آیات ۲ تا ۳ میں مندرج رکھا ہے۔ کفار کو تعجب ہے کہ ایک خاکی وجود اللہ کی بارگاہ سے منذر کیونکر ہو سکتا ہے۔ اللہ کے تقدس اور عظمت کو اس سے اپنے زعم میں بلند سمجھتے ہیں کہ انسان اس کا رسول ہو۔ دوم اس تعلیم کو جو رسول پیش کرتا ہے کہ مرنے اور جسم کے چورہ ہو جانے کے بعد انسان زندہ کیا جائے گا بعید از عقل خیال کرتے ہیں۔ چونکہ قرآن کریم نے ان دونوں مسائل پر سیر کن بحث کی ہے اسی کو دونوں مسائل کی صداقت پر گواہ ٹھہرایا ہے۔ پہلے مسئلہ کو تو اس سورہ کی آیات ۱۲ تا ۱۵ میں مختصراً ذکر کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ گذشتہ اقوام کے پاس انہی میں سے منذر اسی تعلیم کے ساتھ

آئے اور جنہوں نے تکذیب کی ہلاک کر دیئے گئے۔ دوم مسئلہ پر بسط کے ساتھ بحث کی ہے اور اسی پر سورۃ کو ختم کیا ہے۔ جو لطیف بات یہاں قابلِ ذکر ہے وہ یہ ہے کہ زندگی بعد الموت کو کفار خلق جدید سمجھتے ہیں اور خلق جدید کی صورت میں شخصیت قائم نہیں رہ سکتی، نہ زید زید رہتا ہے نہ عمر عمر۔ اسی غلطی کی بناء پر اس کو بعید از عقل سمجھتے ہیں۔ یہ خلق جدید نہیں بلکہ حیاتِ دنیا کا تتمہ ہے۔ جو جسم جو روح سے خالی ہو کر زمین میں مل کر چورہ ہو جاتا ہے۔ وہ تو جیسا زمین سے لیا تھا ویسا اس کو واپس دیا جاتا ہے اور جو چیز اس خاکی جسم کی جنس سے ہوتی ہے وہ اس سے جدا ہو کر روحِ انسانی کے ساتھ جاتی ہے وہ روح حیوانی اور نسمہ ہے یہ دونوں عالم برزخ میں محفوظ رہتے ہیں۔ نسمہ وہ جسم ہے جو جسم خاکی کے بخارات سے انسان کے اندر تیار ہوتا رہتا ہے۔ اور آسمانی روح اور خاکی کثیف جسم کو ملانے کی کڑی ہے۔ یہ نسمہ روح حیوانی کے ساتھ جاتا ہے اور روح حیوانی کے لئے ایک لطیف جسم کا کام دیتا ہے اور محفوظ رہتا ہے اور اعمال کے نقوش روح حیوانی کی لوح پر منقوش رہتے ہیں۔ اعمال عرض ہیں جو بغیر کسی جوہر کے قائم نہیں رہ سکتے۔ روح حیوانی ان کے لئے جوہر ہے۔ جس نے فوٹوگراف دیکھا ہے اس کے لئے اس مسئلہ کا سمجھنا دشوار نہیں۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جسم کی جزوی تبدیلی سے شخصیت تبدیل نہیں ہوتی۔ دنیا کا خاکی جسم بھی بدلتا رہتا ہے۔ سات سال کے عرصہ میں سابقہ جسم تحلیل ہو جاتا ہے اور بجائے اس کے نیا مادہ اس

کی جگہ لے لیتا ہے ۔ پھر بھی شخصیت برابر قائم رہتی ہے روح کے ساتھ اسی خاکی جسم کا نچوڑ جاتا ہے جو برزخ کا دکھ سکھ محسوس کرتا ہے آیت ۱۱ میں اللہ تعالےٰ نے یہ ذکر کیا ہے کہ قیامت کا نمونہ تو ہر سال انسان کے مشاہدہ میں رہتا ہے ۔ جس گھر میں یعنی آسمان زمین کے اندر انسان پیدا ہوا ہے وہ گھر بھی بدلتا رہتا ہے ۔ اس پر تغیرات آتے رہتے ہیں مگر اس کی شخصیت اور خواص قائم رہتے ہیں اور قانون وہی رہتا ہے ۔ زمین خشک ہو جاتی ہے اور آسمان سے پانی برستا ہے زمین زندہ ہو جاتی ہے ۔ نباتات جو خشک اور مردہ ہو چکی تھیں وہ ازسر نو زندہ ہوتی ہیں اور گوناگوں میوے اور غلے انسان کی بقا اور عیش کے لئے پیدا ہوتے ہیں ۔ انسان کی تربیت کے لئے اس کے گھر کی جملہ اشیاء کی تجدید ہوتی رہتی ہے اور اس گھر کی اعلیٰ ہستی انسان ہے ۔ اے انسان آیا تیرا انجام صرف کھاپی کر مٹی ہو جانا ہے ۔ اس گھر میں لاکھوں آکر بسے اور رہے اور کفران نعمت کر کے اس گھر سے خارج کر دیئے گئے تو ان میں سے نہ ہو ۔ ۲ اتا ۱۴ ۔ انسان کے اعمال محفوظ کئے جاتے ہیں اور قیامت میں ان پر ثمرات مرتب ہوں گے ۔ بدی کا ثمرہ جہنم میں رہنا اور نیکی کا ثمرہ جنت میں قیام ہوگا ۔ یہ دائمی زندگی ہے ۔ آسمان زمین چھ ایام میں پیدا کر کے اللہ تعالےٰ کی قدرت ختم نہیں ہو گئی ۔ اس کی کسی صفت میں ضعف نہیں آتا الآن کما کان ۔

حورعین کی حقیقت - ۲۵/۱۶ - آیت ۵۴ :-

یہاں ایک نعمت کا ذکر کیا ہے زوجناھم بحور عین یہاں نکاح مراد نہیں بلکہ جملہ اصحاب الجنۃ کے لئے خواہ مرد ہوں یا زن حورعین کو ان کا جوڑا بنایا ہے - وہاں رجولیت اور انوثیت کی کوئی شان نہیں ہوگی - ہر ایک اپنے جوڑے کے ساتھ کھلے تختوں پر بے حجاب بیٹھیں گے - وہاں کوئی ایسی حرکت نہیں ہوگی جس کے لئے حجاب کی ضرورت ہو - حضرت عیسٰے سے یہودیوں نے سوال کیا تھا کہ ایک عورت جس نے کئی شوہر کئے ہوں وہ قیامت کے روز کس شوہر کو ملے گی - حضرت نے فرمایا تم مابعد الموت کی زندگی کی حقیقت کو نہیں سمجھے وہاں ملائک کی سی زندگی ہوگی - اعلےٰ درجہ کے حظوظ کے لئے - اور مقدس ذرائع ہونگے دنیا کی ضرورتوں کے لئے جو امور آج قبیح نہیں ہیں وہ قیامت میں قبائح ہوں گے جیسا کہ بول اور براز وغیرہا - ازواج کی نسبت قرآن کریم میں یہ الفاظ آئے ہیں لھم ازواج مطھرۃ ؛

اظہار علی الغیب و شرعی رسول - ۲۹/۱۲ - آیات ۲۷ - ۲۸ :-

آیات ۲۷ و ۲۸ میں اللہ تعالےٰ نے ایک اہم مسئلہ بیان کیا ہے جس کی تفسیر میں تشریح کے ساتھ کرتا ہوں - اظہار علی الغیب سے مراد ہے کسی کو غیب کی خبر پر غالب کرنا - اور غالب کرنے سے مراد ہے اس کا یقینی علم دینا جس میں شک کی گنجائش نہ ہو اور لفظ علیٰ غیبہ میں ضمیر اللہ تعالےٰ کی طرف راجع ہے اور اس سے وہ شرعی

احکام اور پیشین گوئیاں مراد ہیں جو رسل کے ذریعہ انسانی نسل کو پہنچائی جاتی ہیں اور من رسول میں من بیانیہ ہے اور رسول سے مراد شرعی رسول ہے اور رصد سے مراد وہ ملائک ہیں جو اللہ تعالیٰ کی وحی کو شیطانی دخل سے محفوظ کرنے کے لئے جبرئیل کے ساتھ آتے ہیں لیعلم کا فاعل رسول ہے اور قد ابلغوا کا فاعل ملائک حامل وحی اور رصد ہیں اور احاط کا فاعل اللہ تعالےٰ اور لدیہم کی ضمیر رسل کی طرف راجع ہے اور احصیٰ کا فاعل اللہ تعالےٰ ہے۔ دونوں آیات کا تفسیری ترجمہ یہ ہے اللہ تعالیٰ اپنے شرعی احکام اور پیشین گوئیوں پر شرعی رسول کے سوا جسکو اللہ تعالےٰ اپنی رسالت کے لئے انتخاب کرتا ہے کسی اور کو یقینی طور پر مطلع نہیں کرتا اور وحی کو رسول کے اپنے خیالات اور میلان اور شیطان کے دخل سے پاک رکھنے کے لئے حامل وحی فرشتہ کے ساتھ ملائک کی ایک جماعت بطور پہرہ دار بھیجتا ہے جو مورد وحی کو ہر طرف سے گھیرے رہتی ہے۔ یہ انتظام اس واسطے کیا جاتا ہے کہ مورد وحی رسول کو علم یقینی ہو جائے کہ ملائک نے اپنے پروردگار کی وحی پوری پہنچادی ہے۔ رسولوں کی طبائع اور میلان اور اخلاق پر اللہ تعالیٰ نے احاطہ کیا ہوا ہے اور جملہ اشیاء کو شمار کے رو سے بھی جانتا ہے۔ پس کوئی گوشہ اس کی حفاظت سے مخفی نہیں رہ سکتا۔ ان آیات سے یہ ثابت ہے کہ شرعی وحی کی جو حفاظت کی جاتی ہے وہ کسی اور وحی کی نہیں کی جاتی اور یہی وجہ ہے کسی کی وحی شرعی حجت کا درجہ نہیں رکھتی۔ یہ

یاد رکھنا چاہیئے کہ غیر شرعی رسول یعنی مجدد یا محدث جو اللہ تعالےٰ سے علم بذریعہ حضرت رسول صلعم حاصل کرتے ہیں ان کی بعض وحی یقینی ہو سکتی ہے اور اولیاء کو جو علم کرامتاً اُن کے رسول اور شرع کی صداقت کے لئے دیا جاتا ہے وہ بھی رسول صلعم کی وساطت کی برکات سے یقینی درجہ پہ پہنچ سکتا ہے۔ مگر ہم اس پر یقینی علم کا فتوےٰ اُس وقت تک نہیں دے سکتے جب تک وہ مشاہدہ میں نہ آجائے۔ مگر سنت الٰہی یہ ہے کہ ایسا علم ذوالوجوہ عبارت میں دیا جاتا ہے۔ اور اس کی کسی ایک وجہ یقین نہیں ہو سکتا اس واسطے اس پر تحدی کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی اور نہ اس وجہ پر ظہور میں نہ آنے کے سبب پیشین گوئی کی تکذیب کی جاسکتی ہے۔

قبض روح - ۲۴/۲ آیت ۲۴:۔

انسانی جسم کے اندر دو روحیں کام کرتی ہیں، روح حیوانی، روحِ انسانی۔ رُوح انسانی موت کے وقت بھی قبض ہوتی ہے اور نوم کے وقت بھی۔ پہلی صورت میں جب تک رُوحِ حیوانی کام کرنا چھوڑ نہ دے موت واقع نہیں ہوتی اور اس کا کام یہ ہے کہ وہ جسم کے اندر ایک لطیف بخار بناتی ہے جس کو نسمہ کہتے ہیں۔ اور یہ نسمہ موت کے بعد روح حیوانی کے جسم کا کام دیتا ہے۔ جب روح حیوانی ایسی ضعیف ہو جاتی ہے کہ بخار بنانے کی طاقت اس میں نہیں رہتی تو اس کا تعلق جسم خاکی کے ساتھ قطع ہو جاتا ہے اور وہ اپنے نسمہ کے ساتھ خارج ہو

جاتی ہے یہی موت ہے۔ دوسری صورت میں یعنی جب روح انسانی
نوم کی حالت میں قبض ہوتی ہے تو روح حیوانی جسم کے اندر بدستور کام
کرتی رہتی ہے۔ اس بیان کے مطابق میں آیت کا تفسیری ترجمہ کر دیتا
ہوں۔ اللہ انسانی روحوں کو اُن کی موت کے وقت قبض کر لیتا ہے۔ اور
موت اس وقت واقع ہوتی ہے کہ رُوح حیوانی بھی قبض کر لی جائے اور
جن کی موت نہیں آئی ہوتی ان کی روح انسانی اُن کی نوم کی حالت میں قبض
کر لی جاتی ہے۔ اگر نوم کی حالت میں کسی پر موت کا حکم صادر ہو جاتا ہے
تو اس کی روح اپنے جسم میں واپس جانے سے روک لی جاتی ہے (اور
نوم کی حالت میں روح حیوانی کو بھی قبض کر لینے سے اس پر موت واقع
ہو جاتی ہے) ورنہ اسکو اپنے جسم کے اندر واپس کر دیا جاتا ہے)) اس
سے ظاہر ہے کہ اس آیت کے اندر مردہ کے زندہ نہ ہو سکنے کے لئے
کوئی دلیل نہیں ۔

پارہ ۔ ع ۱ آیات ۲۷ تا ۳۴ :۔

ان آیات میں مومنین کی منزلی اور تمدنی اصلاح کے لئے اور انکو
اعلیٰ درجہ کی سوسائٹی بنانے کے لئے نافع احکام نازل فرماتے ہیں
(۱) بیگانے گھروں پر بغیر سلام و اجازت مت داخل ہو (۲) اگر اندر
کوئی آدمی نہ پایا جاتا ہو تو اندر نہ جاؤ۔ جب تک اذن نہ ہو۔ اور اگر صاحب
خانہ اس وقت نہ مل سکتا ہو تو واپس چلے جاؤ۔ (۳) اگر مکان سکنی نہ ہو بلکہ
تمہارا اسباب اس میں پڑا ہو تو وہاں جانے کے لئے اجازت کی ضرورت

نہیں (۴) باہر پھرنے کے وقت مومن غض بصر کریں یعنی نظریں زمین کی طرف رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ مومن عورتیں بھی ایسا کریں اور اپنی زینت یعنی زیور یا لباس ظاہر نہ کریں۔ مگر جس قدر حصہ ظاہر کرنا پڑتا ہے (وہ چہرہ اور ہتھیلی ہے) اور اپنی اوڑھنیوں سے اپنے سر اور گردن اور سینہ کو ڈھانک لیں۔ اور اپنی زینت کو جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے کسی پر نہ کھولیں سوا اُن اشخاص کے۔ شوہر، اپنے آبا، اپنے شوہر کے آبا، اپنے ابنا، اپنے شوہر کے ابنا، یعنی دوسرے بطن سے۔ اپنے بھائی اپنے بھتیجے، اپنے بھانجے، مسلمان عورتیں غلام اور کنیز یا ایسے خادم مرد جن کو نکاح کی اشتہا نہیں اور نابالغ لڑکے جو عورتوں کی شرمگاہوں سے واقف نہیں (۵) رنڈوے اور رانڈوں کا نکاح کرا دو۔ اور غلاموں اور لونڈیوں کا بھی ان کی مفلسی نکاحوں سے مانع نہیں ہونی چاہیئے (۶) جن کو نکاح میسر نہ ہوتا ہو وہ پاک دامن رہیں یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ اُن کے لئے نکاح کی سبیل پیدا کرے (۷) اگر بعض غلام چاہیں کہ کچھ عوضانہ دے کر مالک سے آزاد ہوں تو اگر اُن میں کسب کی صلاحیت پائی جاتی ہو تو مالک ان کو اقرار لکھدے کہ وہ اگر مقررہ عوض ادا کر دے تو آزاد ہیں۔ پھر ایسے لوگوں کی مدد بطور چندہ سب مسلمانوں کو کرنی چاہیئے۔ اور وہ خود بھی کمائی کر کے رقم پوری کرے۔ ایسے غلاموں کو مکاتب کہتے ہیں (۸) لونڈیوں کو کمائی کے لئے زنا کے پیشہ پر مجبور نہیں کرنا چاہیئے۔ ورنہ جابر گنہگار ہوگا نہ مجبور مگر وہ خود اس پر رضا ظاہر کریں تو گناہ میں شریک

ہوگی۔ متعہ بھی ممنوع ہے جو ابھی مدینہ میں ہے ۰

۲۲/۴ آیات ۵۳-۵۴-۵۵ :-

صحابہ حضرت رسول اللہ صلعم کی صحبت کے لئے اجازت لے کر حرم میں چلے جاتے تھے اس سے حضور کو تکلیف ہوتی تھی۔ اس طریق کو منع کر دیا مگر ایسی حالت میں کہ طعام خوری کی تقریب پہ بلائے جائیں۔ اگر دعوت زنانہ مکان میں ہو تو جب کھانا سجایا جا چکے اندر جانا چاہیئے اور جب کھایا جا چکے تو گھر سے چلے جانا چاہیئے۔ باتوں کے لئے اور شغل کے لئے اندر نہیں ٹھہرنا چاہیئے۔ اس وقت کے تمدن کے لئے یہ حکم ضروری تھا۔ کیونکہ سوائے تنگ مکانوں کے اور مکان لوگوں کی وسعت سے خارج تھے۔ دوسرا حکم اس کے ساتھ یہ دیا کہ اگر زنانہ کمرہ میں سے کسی متاع کو لینے کی ضرورت پڑے تو حجاب میں کھڑا ہو کر متاع مانگنی چاہیئے تاکہ چہرہ پردہ میں رہے۔ یہ حکم اس بات میں صریح ہے کہ چہرہ اجنبی سے چھپانا چاہیئے۔ تیسرا حکم یہ دیا کہ رسول صلعم کے بعد حضور کی بیوگان سے نکاح نہیں کرنا چاہیئے۔ اس کی وجہ بیان ہو چکی ہے۔ آیت ۵۵ میں ان اشخاص کا ذکر کیا ہے جن کے سامنے چہرہ چھپانے کی ضرورت نہیں۔

۲۲/۵ آیت ۵۹ :-

اس آیت میں یہ حکم ہے کہ ازواج مطہرات اور بنات مطہرات اور مومنین کی ازواج باہر نکلیں تو جلباب ایک وسیع چادر اوڑھ لیا کریں۔ سورۃ نور آیت ۳۱ میں حکم دیا گیا تھا کہ خمار یعنی اوڑھنی اپنے سینوں پر

ڈال لیا کریں یعنی اپنی اوڑھنی سے جس سے سر ڈھانکا جاتا ہے اپنی گردن اور سینہ چھپا لیا کریں۔ یہ دونوں آیات مترادف نہیں ہیں۔ جلباب باہر جانے کے لیئے تجویز کی گئی ہے اور خمار گھریلو زندگی کے لیئے ۔

تقدیر اور بعثت انبیاء۔ ۲۷/۱۹ آیات ۲۲ تا ۲۴ :۔

اس میں اللہ تعالےٰ ایک باریک علمی مسئلہ بیان کرتا ہے جس سے فضل اور عمل کا ارتباط اور مسئلہ تقدیر اور تدبیر واضح ہوتا ہے۔ آیات کا تفسیری ترجمہ حسب ذیل ہے "۔ کوئی مصیبت آفاق میں یا تمہارے نفوس میں نہیں آتی جو اللہ کی کتاب میں جس کو لوحِ محفوظ کہتے ہیں درج نہ ہو (اس سے سعی باطل ٹھہرتی ہے) اس شبہ کے رفع کے لیئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یہ امر مجھ پر آسان ہے (یعنی نوشتہ بھی نہیں ٹلتا اور سعی بھی باطل نہیں ہوتی) ایک شبہ اور ہے کہ جب مقصد یہ ہے کہ انسان کو عمل پر لگایا جائے تو قدر کا خیال اُس کے ذہن نشین کرنے کی کیا ضرورت ہے جو بظاہر عمل کو بیکار ظاہر کرتا ہے۔ اس کے ازالہ کے لیئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تقدیر کا عقیدہ اس لیئے لازم کیا گیا ہے کہ اگر انسان کی سعی اکارت جائے یا کوئی آئی ہوئی چیز اس کے ہاتھ سے جاتی رہے تو آزردہ نہ ہو اور اگر کامیاب ہو جائے تو نہ اترائے۔ پہلی صورت میں یہ سمجھے تقدیر کام کر گئی اللہ کی مشیت یہی تھی۔ دوسری صورت میں یہ خیال کرے کہ کام اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہوا۔ کامیابی کو اپنی سعی اور لیاقت کی طرف منسوب نہ کرے کیونکہ ایسا کرنے سے انسان کے اندر فخر اور تکبر پیدا ہوتا ہے اور یہ

صفات اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسند ہیں۔ اس سے بخل کی صفت پیدا ہوتی ہے۔ جو شخص مال کا عطیہ اور اس کی داد سمجھتا ہے وہ اس مال کو خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے خرچ کرتے سے بخل نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالےٰ کی کتاب انسان کے نفس میں اللہ تعالےٰ کی عظمت اور علو اور کبریائی اور انسان کی محتاجی اور خاکساری پیدا کرنا چاہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت کا یہ ایک زرّین اصل ہے ؎

اسمہٗ احمد۔ پ۲۸ سورہ الصّف آیت ۱۶۔

اس سورۃ کے نفسِ مضمون پر غور کرنے سے جو باتیں سمجھ میں آتی ہیں وہ یہ ہیں۔ مومنوں کو اوّل سے آخر تک جہاد کی ترغیب ہے۔ پس یہ ایسا رسول ہے جس نے جہاد کیا اور ملک فتح کئے۔ حضرت مرزا صاحب نے جس پر بشارت چسپاں کرتے ہیں نہ جہاد کیا اور نہ کوئی ملک فتح کیا اسلام کی تائید میں کتابیں ضرور لکھیں مگر کجا کتابیں لکھنا اور کجا جہاد سے ملک فتح کرنا۔ جہاد سے انکار کرنے پر جس قوم نے نقصان اُٹھایا وہ موسےٰ کی قوم ہے۔ انہیں کا نمونہ یہاں پیش کیا گیا ہے۔ کیونکہ موسےٰ کی مثل حضرت احمد صلعم ہیں۔ اس بشارت سے حضرت عیسےٰ اپنی قوم کو اپنی طرف سے مایوس کرتا ہے اور قوم اس سے جن امور کی امید رکھتی تھی وہ اپنے بعد آنے والے کے حوالہ کرتا ہے۔ اور وہ آنے والا حضرت احمد صلعم ہے۔ کیونکہ غیر قوم سے نجات دلاتا جہاد چاہتا ہے اور جہاد کرنے والا پیچھے آنے والا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ بشارت ایسے رسول

کے متعلق ہے جو بنی اسرائیل کو نجات دلانے اور زندہ کرنے کے لئے آیا تھا۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ عسیٰ ربکم ان یرحمکم وان عدتم عدنا (سورۃ بنی اسرائیل) اس آیت میں بنی اسرائیل مخاطب ہیں۔ ترجمہ یہ ہے کہ احمد موعود آگیا قریب ہے کہ اللہ تم پر رحم کرے اور اگر اپنی شرارت کا اعادہ کرو گے تو ہم بھی سزا کا اعادہ کریں گے۔ اس سورۃ میں فلما جاءھم ماضی کا صیغہ ہے اور ضمائر سب بنی اسرائیل کی طرف راجع ہیں کہ پیچھے انہیں کا ذکر ہے یعنی ھم اور قالوا اور یریدون پس یہ صریح دلالت ہے کہ آنے والا آچکا اور بنی اسرائیل نے اس کی تعلیم کو سحر مبین کہا اور اس کے نور کو بجھانے کی کوشش بنی اسرائیل نے کی یہ جو کچھ ہوا حضرت احمد صلعم کے ساتھ ہوا۔ حضرت مرزا صاحب اگر آئے تو عیسائیوں کے لئے آئے بنی اسرائیل یعنی یہودیوں کے ساتھ اُن کو کوئی تعلق نہ تھا۔ مبطلین کو یہاں ماضی کا معنی مضارع لینا پڑتا ہے۔ جو اس وقت جائز ہو جب ماضی کا معنی متعذر ہو۔ ایک اور بات پر غور کرو۔ اسلام کی طرف بلانے والا کون ہے اور اس کے مقابل افترا کرنے والا کون ہے اسلام کی طرف بلانے والا تو حضرت احمد صلعم ہے۔ اور افترا کرنے والے بنی اسرائیل ہیں جو اس کی تعلیم کو باطل قرار دیتے ہیں لیکن مبطلین کے نزدیک اسلام کی طرف بلانے والے غیر احمدی ہیں جو اپنے غلط اسلام کی طرف بلاتے ہیں اور جس کو اسلام کی طرف بلاتے ہیں وہ مرزا

صاحب ہیں اور آیت میں ہے کہ مفتری وہی شخص ہے جسکو اسلام کیطرف بلاتے ہیں پس معاذ اللہ مرزا صاحب مفتری ٹھہرے۔ باطل حق سے قالب میں کبھی ٹھیک نہیں بیٹھ سکتا۔ آگے آتا ہے یریدون لیطفئوا نور اللہ نور اللہ سے مراد اسلام یا قرآن ہے دریریدون کا فاعل بنی اسرائیل ہیں معنی یہ ہوا بنی اسرائیل اسلام کی اشاعت روکنا چاہتے ہیں مگر اللہ تعالےٰ اس کی تکمیل کرے گا مبطلین کے نزدیک یریدون کا فاعل غیر احمدی ہیں اور نور سے مراد احمدیت ہے یہاں نہ تو غیر احمدیوں کا کوئی ذکر ہے اور نہ احمدیت کا۔ کیونکہ احمدیت کوئی دین نہیں اور نہ اس میں کوئی شریعت ہے۔ یہاں تو ایسا رسول مراد ہے جو دین اور شریعت لایا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ یہودیوں نے اسلام کو نیچا دکھانے کے لئے بڑے جتن کئے اور عرب کی قوموں کو بھی اکسایا مگر جیسی کہ پیشگوئی تھی اسلام غالب آگیا اور یہ غلبہ خلفاء کے آخر زمانہ تک مکمل ہو گیا مبطلین اپنی تائید میں ایک اور وجہ بھی بیان کرتے ہیں کہ آیت میں نور کو پھونکوں سے بجھانے کا ذکر ہے اور پھونکوں سے مراد لیتے ہیں زبانی اور تحریری مقابلہ نہ کہ شمشیری مقابلہ یہ مراد لینا غلط ہے خصم کا مقابلہ خواہ کسی طریق سے اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ نور پھونکوں سے بجھانا کیونکہ نور پھونکوں سے نہیں بجھ سکتا۔ اس کی مثال قرآن کریم میں دوسری جگہ موجود ہے آیت ۳۲ سورۃ توبہ میں یہی لفظ یہودیوں اور عیسائیوں کی مخالفانہ کوششوں کے مقابل آیا ہے اور اس سے شمشیر کا مقابلہ مراد ہے کسی قوم پر غلبہ

بغیر اس قوم کو بذریعہ جنگ مغلوب کرنے کے نہیں ہو سکتا احمدیت کا غلبہ مبطلین یہ سمجھتے ہیں کہ سب ادیان بذریعہ دلائل مغلوب ہو گئے۔ دلیل سے کوئی شخص یا قوم عاجز آجائے تو اس کو مغلوب نہیں کہا جا سکتا اور نہ وہ شخص خود مانتا ہے کہ وہ مغلوب ہو گیا۔ حضرت رسول صلعم کے زمانہ میں تین قومیں برسر اقتدار تھیں، عیسائی، مجوس، مشرک۔ عرب ان تینوں قوموں سے گھرا ہوا تھا۔ حضرت رسول صلعم اور حضور کے خلفاء کے زمانہ میں تینوں کے ممالک مفتوح ہو کر مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئے۔ قیصر اور کسریٰ مغلوب ہو گئے۔ شرک کا گہوارہ مغلوب ہو گیا۔ عرب، فارس، روم، مصر، افغانستان، سندھ مغلوب ہو گئے اور لیظھرہ علی الدین کلہ کا نظارہ نظر آ گیا۔ حضرت مرزا صاحب تو ایک قادیان کو فتح نہ کر سکے۔ اگرچہ سورۃ میں آیت ۱۰ سے ۱۳ تک جہاد کی ترغیب ہے، لیکن آیت ۱۰ میں جہاد پر تجارت کا لفظ آ گیا ہے اور یہ اس امر کے لئے دلیل بن گیا ہے کہ تجارت کا فروغ حضرت مرزا صاحب کے زمانہ میں ہوا ہے اس واسطے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ میں تم کو ایک اور تجارت کی رہنمائی کرتا ہوں۔ یہاں تجارت کے فروغ کا ذکر کوئی نہیں، تجارت کم و بیش ہر زمانہ میں ہوتی ہے۔ یہاں جہاد کو تجارت سے صرف تشبیہ دی ہے۔

اب قرآن کے اور مواقع اور حدیث پر غور کیا جاتا ہے کہ آیا ان سے اس بشارت کی تائید میں کوئی سند مل سکتی ہے آیت ۱۵۶ و ۱۵۷ سورۃ

اعترافات میں ہے کہ اہل کتاب نبی امی کا ذکر توراۃ اور انجیل میں پاتے ہیں۔ توراۃ کی بشارات کو یہاں نقل کرنے کی ضرورت نہیں صرف انجیل کی بشارات کو یہاں لیا جاتا ہے جن کا تعلق قرآن مجید کی اس بشارت زیر بحث کے ساتھ ہے۔ انجیل یوحنا کے مختلف مواقع پر حضرت احمد صلعم کے متعلق جو الفاظ ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔ میں حکم نہیں کرتا اور ایک حکم کرنے والا آتا ہے (احمد کا ترجمہ حکم کرنے والا اور سزا دینے والا بھی آیا ہے) وہ فارقلیط ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گا (خاتم النبیین ہونے کی دلیل ہے) میں نے واقع ہونے سے تم کو خبر دی تاکہ واقع ہو تو ایمان لاؤ (یہودی مخاطب ہیں اور مرزا صاحب نہ مومن یہ ہیں نہ یہودیوں کی طرف مبعوث) اس جہان کا سردار آتا ہے اس سے حضرت احمد صلعم مراد ہیں اس کے مقابل اور کوئی جہان کا سردار نہیں ہو سکتا۔ مجھ میں اس کی کوئی بات نہیں وہ آکر میرے لئے گواہی دیگا دیہ گواہی بھی حضرت احمد صلعم نے دی مرزا صاحب نے تو اس کے ساتھ جو کچھ کیا) میں نہ جاؤں تو وہ نہیں آوے گا (یہ متصل آنے والے کیلئے ہے) وہ آکر دنیا کو گناہ اور راستی اور عدالت پر سزا دے گا (سزا دینے والا صرف احمد صلعم ہے) وہ تم کو ساری سچائی کی راہیں بتادے گا (تکمیل دین کی طرف اشارہ ہے) جو سنے گا وہی کہے گا اور غیب کی خبریں بتائے گا (وما ینطق عن الھویٰ اس سے بھی حضرت صلعم مراد ہیں) اب احادیث پر نظر کی جاتی ہے۔ حضرت صلعم نے فرمایا انا دعاء ابی ابراھیم وانا بشارۃ عیسیٰ (مسند احمد) یہ نص ہے اس امر کے لئے کہ حضور نے

تو دعوےٰ کیا ہے کہ بشارت عیسٰیؑ کا میں مصداق ہوں۔ اس کے مقابل کسی اور کا دعوےٰ کس طرح مسموع ہو سکتا ہے۔ حالانکہ مرزا صاحب نے خود کہیں صریح دعوےٰ نہیں کیا۔ ایک اور حدیث ہے۔ حضور فرماتے ہیں ان لی اسماءً انا محمد وانا احمد وانا الحاشر یحشر الناس علیٰ قدمی وانا الماحی الذی یمحو اللہ بی الکفر وانا العاقب والعاقب الذی لیس بعدہ نبی (بخاری مسلم) اس میں حضور نے بتایا ہے کہ میرا نام احمد بھی ہے مبطلین اس سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ علم نہیں لقب ہے یعنی وصفی نام۔ میرے نزدیک پیشین گوئیاں وصفی نام سے ہوا کرتی ہیں اور پیشین گوئیاں جب دوسری زبان میں جاتی ہیں تو وہی نام نہیں رہتا جس کے ساتھ پیشین گوئی کی گئی بلکہ اس کا ترجمہ جاتا ہے۔ ایک اور حدیث ہے جو صحیحین کے سوا باقی صحاح میں بھی باختلاف الفاظ اس کا ذکر ہے اور وہ یہ ہے کیف بکم اذا انزل فیکم ابن مریم و امامکم منکم الخ حضرت مرزا صاحب کے دعوے مسیح موعود کی بنیاد یہی حدیث ہے اس صورت میں مبطلین کے نزدیک بشارت عیسٰی اور بشارت رسول صلعم جو اس حدیث میں ہے ایک ہی وجود کے متعلق ہیں۔ پس مفہوم یہ ٹھہرا کہ حضرت عیسٰی اپنی بشارت میں اپنے ہی متعلق دوبارہ آنے کی بشارت دے رہے ہیں مگر اس میں آنے والے کا نام احمد رکھتے ہیں یہ نہیں کہتے کہ میں آؤں گا یا میرا مثیل آئے گا۔ حالانکہ حضرت عیسٰی نے اپنے آنے کی جو پیشین گوئی کی تھی وہ جدا ہے اور احمد کی بشارت جدا ہے۔ اس بشارت کے یہ الفاظ ہیں۔ ابن آدم اپنے باپ

کے جلال میں اپنے فرشتوں کے ساتھ آئے گا اس وقت ہر ایک کو اس کے کاموں کے موافق بدلہ دے گا۔ میں سچ کہتا ہوں کہ جو یہاں کھڑے ہیں ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ جب تک ابن آدم کو اس کی بادشاہت میں آتے ہوئے دیکھ لیں گے موت کا مزہ ہرگز ہرگز نہ چکھیں گے۔ بشارت احمد کا مضمون نہایت صاف ہے کہ جس کی بشارت دے رہے ہیں وہ شخص غیر عیسےٰ ہے نہ خود عیسےٰ اور حدیث کے الفاظ صریح ہیں کہ وہ خود عیسیٰ ہے اور یہ اس کی تاویل کر دی گئی ہے کہ اس سے کوئی ایسا شخص امت محمدی میں سے مراد ہے جو مثیل عیسیٰ ہوگا نہ خود عیسیٰ۔ ہر ایک کی جو صفات بیان کی گئی ہیں وہ بھی جدا جدا ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں کا مصداق ایک فرد نہیں ہے۔ بشارت قرآنی جس کے متعلق ہے بنی اسرائیل اسکا انکار کریں گے اس کی تعلیم کو باطل ٹھہرائیں گے۔ وہ اسلام کی طرف بلائے گا۔ وہ ایک دین اور شریعت لائے گا جس کی ناکامی کے لئے بنی اسرائیل سعی کریں گے آخر وہ غالب ہو جائے گا اور جہاد سیفی کرے گا اور ممالک فتح کرے گا۔ حدیث کے مصداق کے نشانات یہ ہیں وہ جہاد موقوف کریگا۔ ایک امتی ہوگا اس کے زمانہ میں عیسائیت کا غلبہ ہوگا۔ کسر صلیب کرے گا اور خنازیر کو قتل کرے گا۔ جزیہ موقوف کرے گا۔ دمشق کے منارہ پر اترے گا۔ دونوں کے علامات سے صریح پایا جاتا ہے کہ دونوں بشارتوں کا مصداق فرد واحد نہیں۔ حضرت مرزا صاحب کے فرزند خلیفہ قادیان نے جدید تفسیر تفسیر صغیر میں صاف لکھ دیا ہے کہ اس سے مراد رسول اکرمؐ ہیں اور سابقہ خیال ترک کر دیا۔ فالحمد للہ۔

ربا - پ۳ آیت ۲۷۵ :-

صدقات کے درمیان اس آیت سے سود کا ذکر شروع کر دیا گیا ہے۔ اس کی حرمت پر قرآن کریم اور احادیث میں سخت وعید ہیں۔ اس کی تعریف تو یہ ہے کہ کسی کو قرض دے کر اس سے کوئی معین فائدہ اٹھایا جائے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ فائدہ مقرر فقط سرمایہ پر حاصل کیا جائے۔ دوم یہ کہ جب سود وقت پر ادا نہ ہو اس کو بھی سرمایہ پر اضافہ کر کے اس پر سود لگایا جائے۔ پہلے کو سود مفرد اور دوسرے کو سود در سود کہتے ہیں۔ مگر ایسا فائدہ اس سے مستثنیٰ ہے جو مقرر نہ کیا گیا ہو۔ اور مدیون شکریہ کے طور پر دائن کو ادا کر دے۔ بیع شرا کی بعض صورتیں جن میں ربا کا شائبہ ہے۔ حضرت رسول کریم صلعم نے منع کر دی ہیں۔ وہ یہ ہیں۔ مخابرہ معین حصہ پر زمین کاشت پر دینا۔ مزابنہ خشک کھجوروں کے عوض تازہ کھجوریں جو خوشہ میں ہوں خریدنا۔ محاقلہ خشک غلہ سے غلہ خریدنا جو ابھی خوشہ میں ہو۔ تمام میوہ جو درخت پر ہو یا تمام غلہ جو خوشہ میں ہو معین رقم پر خریدنا۔ سونا چاندی کے عوض سونا، چاندی غیر مساوی اوزان پر خریدنا ان میں سے کئی صورتیں اب مروج ہو گئی ہیں۔ تمدن کی ترقی سے ربا کے مسئلہ کے متعلق مشکلات پیش آ گئی ہیں۔ خصوصاً بنکوں کے معاملہ میں تجارت اب بنکوں کے ذریعہ سے ہوتی ہے مسلمانوں کو غیر مسلموں کے ساتھ تجارت کرنے میں سود دینا پڑتا ہے۔ اور جہاں غیر مسلموں سے انہیں سود لینا ہے۔ اگر یہ اپنا سود ترک کر دیں تو دوسری قوموں کے مقابلہ میں یہ خسارہ میں رہتے ہیں۔ بنکوں میں روپیہ امانت رکھنا پڑتا

ہے۔ جس کا سود بنک اپنے قواعد کے مطابق ادا کرتا ہے۔ ملازمین کے بونس یا پراویڈنٹ فنڈ کا روپیہ بنک میں رکھا جاتا ہے جس پر سود ملتا ہے۔ اگر کوئی تقوےٰ اختیار کرکے ایسا سود نہ لے تو بنک سود کی رقوم کسی عیسائی مشن کو دے دیتا ہے اور پھر وہ روپیہ اسلام کی تردید اور مخالفت پر خرچ ہوتا ہے۔ یہ مشکلات ہیں جنہوں نے مسلمانوں کو حیرانی میں ڈال رکھا ہے اور وقتاً فوقتاً علماء سے فتوے طلب کرتے رہتے ہیں۔ اس زمانہ کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد صاحب سے بھی استفتاء کیا گیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ بنکوں سے سود لے کر اشاعت اسلام یا خیراتی کاموں پر صرف کر دینا چاہیئے۔ یہ ایک اضطراری فتوےٰ ہے۔ جس میں حرام چیز بھی جائز ہو جاتی ہے۔ مگر اس کا اثر اس کی حرمت پر نہیں پڑتا۔ لین دین کے معاملات میں جو چیزیں حرام کر دی گئی ہیں ان کی علت یہ ہے کہ اُن سے ایک فریق خسارہ میں رہتا ہے۔ اور خسارہ اُٹھانے والے کی رضامندی کسی حرام کو حلال نہیں کر سکتی۔ پھر بھی فقہاء نے لین دین کے متعلق جو حرمتیں ہیں ان کی حلت کے لئے ایک صورت نکالی ہے کہ اگر ایک ناجائز صورت کا رواج کافتہ الناس میں ایسا عام ہو گیا ہے کہ نہ تو اس سے کوئی پرہیز کر سکتا ہے اور نہ اسکو کوئی بُرا سمجھتا ہے۔ عامتہ الناس اسکو بے کراہت قبول کر لیتے ہیں۔ اور کوئی فرد ایسا نہیں رہتا کہ اس رواج کے خلاف شکایت رکھتا ہو تو فقہا اس رواج کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اور اس کا نام عموم بلوا رکھتے ہیں۔ اس زمانہ میں تو بعض باتیں جو منع کی گئی تھیں فقہا کے عموم بلوا کی مد میں آجاتی ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ معاملات میں شریعت

کی بنیاد قوموں کے عرف پر ہوتی ہے۔ جیساکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وامر بالمعروف اور ان میں سے اکثر مسائل کی بنیاد حضرت رسول اللہ صلعم کے اجتہاد پر ہے۔

آیت ۱۲۹:۔

اس آیت میں سود در سود کھانے سے روکا ہے جنگ کے اثنا میں اس کا ذکر اس واسطے کیا ہے کہ عرب میں یہ دستور تھا کہ قومی جنگوں میں سود اور قمار کا روپیہ جمع کر کے خرچ کرتے تھے۔ ایسا نہ ہو کہ مسلمان بھی ان کی سنت پر عمل کریں یہاں سود در سود کا ذکر جس پر عرب کا عمل تھا اسکی قباحت کو ظاہر کرنے کے لئے کیا گیا ہے ورنہ اس سے یہ مراد نہیں کہ مفرد سود کھانا جائز ہے۔ اگلی دو آیات میں آگ سے بچنے کا حکم دیا ہے جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے اور اللہ اور رسول کی اطاعت کا حکم دیا ہے اس کا تعلق آیت سود سے یہ ہے کہ تم کافروں کی سنت پر عمل نہ کرو جس کا انجام جہنم ہے۔ اور اللہ اور اپنے رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ جس کا نتیجہ دار الرحمت ہے۔

طب ۳۱ آیت ۳۱۔ اس آیت میں زینت سے مراد لباس ہے۔ اور مسجد سے مراد سجدہ کا مکان اور سجدہ کا وقت ہے اور کھانے پینے میں اسراف کو ناپسند کیا ہے۔ خواہ کھانے کی حیثیت میں ہو یا کھانے کی مقدار میں۔ کہتے ہیں ہارون الرشید کے ہاں ایک نصرانی حاذق طبیب تھا اس نے حسین ابن علی ابن واقد سے کہا کہ تمہاری کتاب میں علم طب نہیں ہے۔ حالانکہ العلم

علمان علم الابدان و علم الادیان - اس نے جواب دیا کہ اللہ تعالےٰ نے اپنی کتاب کی نصف آیت میں علم طب کو جمع کر دیا ہے اور وہ یہ ہے کلوا واشربوا ولا تسرفوا - پھر نصرانی نے کہا کہ تمہارے رسول سے علم طب میں کوئی روایت نہیں ہے - اس نے کہا - ہمارے رسول صلعم نے طب کو تھوڑے الفاظ میں جمع کر دیا ہے اور وہ یہ ہیں (المعدۃ بیت الداء والحمیۃ راس کل دواءٍ واعط کل بدن ما عودتہ - معدہ بیماری کا گھر ہے اور پرہیز ہر بیماری کی دوا ہے اور ہر بدن کو وہی دے جس کا تو نے اسکو عادی بنایا ہے) نصرانی نے کہا تمہاری کتاب اور تمہارے نبی صلعم نے جالینوس کے لئے کوئی طب نہیں چھوڑی ؛

مرزا محمد اسمٰعیل رحمۃ اللہ علیہ

مرزا محمد اسمٰعیل صاحب قوم کے ترک اور رجارجیا کوہ قاف کے رہنے تھے۔ ان کے والد مرزا محمد طاہر صاحب اس زمانہ میں بڑے تاجر تھے اور ترکی، ایران، افغانستان اور ہندوستان میں تجارتی سامان دونوں طرف سے لاتے لے جاتے اور فروخت کرتے۔ اس لئے انہوں نے اپنا ہیڈ کوارٹر قندھار میں بنا لیا اور وہیں متوطن ہو گئے۔ مرزا محمد اسمٰعیل صاحب نے عربی، فارسی، علوم مروجہ کو تحصیل کیا تھا۔ اور بڑے صوفی منش بزرگ تھے۔ افغانستان اور برطانیہ کے جنگوں کے دنوں میں وہ قندھار چھوڑ آئے۔ افغانستان میں عام رواج ہے کہ صاحب دولت اور ثروت لوگوں کے خلاف ایسے موقعوں پر اہلِ غرض کم مایہ سیاسی قماش کے لوگ رپورٹیں کرتے اور ایسے ہی الزام میں ان کو وطن چھوڑ کر حیدرآباد سندھ آنا پڑا جہاں وہ رسالہ میں ملازم ہو گئے۔

قندھار کے متعلق قابلِ ذکر ایک واقعہ بیان فرماتے تھے کہ ایکدن ایک شخص ان کو بازار میں ملا اور کہا میں نبی ہوں۔ مرزا صاحب نے اس کو کہا اچھا ہے مجھے تعجب نہیں اور میں مانتا ہوں تم نبی ہو گے لیکن لوگوں سے ذکر نہ کرنا کہ وہ تجھے قتل کر دیں گے۔ وہ کہنے لگا تو تم پھر کیوں مانتے ہو، مرزا صاحب نے کہا اس لئے کہ آپ جیسے نبی بنی اسرائیل کے ایک

ایک گاؤں میں ایک ہی وقت میں تین تین چار چار ہوتے تھے اگر ہمارے شہر میں ایک ہو گیا تو کون سے تعجب کی جاتے ہے۔ جبکہ امت مسلمہ خیر الامم ہے۔

حیدر آباد سندھ کا ایک قابل ذکر واقعہ یہ سنایا کرتے کہ اُن پر ایک وقت آیا کہ اُن کے دل میں شکوک پیدا ہو گئے تھے اور انہوں نے نماز پڑھنا چھوڑ دیا تھا۔ حیدر آباد میں ان دنوں ایک ولی اللہ تھے، جو درس قرآن دیا کرتے تھے۔ ان کے درس میں میں بھی شامل ہوا کرتا ایک دن اُن سے ذکر کیا کہ مجھے تنہائی میں کچھ سوال کرنے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ درس کے بعد ٹھہر جاؤں چنانچہ میں ٹھہر گیا اور اُن سے کہا کہ تورات اور سابقہ کتب میں بار بار زور و شور سے پیشگوئیاں تھیں کہ خدا کی بادشاہت آئے گی اور جب آئی تو صرف ۳۰ سال رہی اور ۳۰ سال میں پہلے دو خلفاء کے وقت ٹھیک رہی بعد کا نظارہ تو انسان کو شکوک میں ڈال دیتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ ہماری غلطی ہے کہ ان لوگوں کو غلط مقام دیکر اپنے آپ کو شکوک میں ڈالتے ہیں آپ ان کو انسان کا درجہ دیتے ہیں کہ ملائک کا۔ مرزا صاحب نے کہا کہ میں سمجھ گیا اور انہوں نے فرمایا کہ باقی شکوک آپ کے درس میں حاضر ہوتے رہنے سے انشاء اللہ العزیز دفع ہو جائیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

وہ کچھ عرصہ انگریزوں کو پشتو اور فارسی پڑھایا کرتے تھے۔ اور اُن کے ایک شاگرد میجر راورٹی صاحب تھے اُن کی مدد سے پشتو

کی گرامر وغیرہ لکھی ہے۔ اور جب تک اُن کا یہ مشغلہ رہا وہ ہندوستان کی مختلف چھاؤنیوں میں رہے اور بعدہ پشاور میں متوطن ہوگئے پشاور میں انہوں نے ایک مدرسہ کی تاسیس کی جس میں جماعت بندی کا نظام تھا اور درجہ بدرجہ طلبا تعلیم پاتے اور فارغ ہوتے۔ انگریزوں کا جب پشاور میں قبضہ ہوا تو یہی ایک مدرسہ تھا جو مدرسہ کہلانے کے لائق تھا۔ گورنمنٹ نے اس کو پہلے ڈسٹرکٹ بورڈ سکول میں اور بعدہ گورنمنٹ سکول میں تبدیل کیا اور مرزا صاحب ڈسٹرکٹ انسپکٹر مقرر ہوئے۔ تاکہ اور مدارس کھولے جاویں، وہ پہلے ضلع پشاور میں رہے اور بعدہ ضلع ہزارہ میں کام کرتے رہے۔ جب پشاور کا سکول مڈل سکول کے درجہ میں تبدیل کیا گیا تو اس کے لئے ہیڈ ماسٹر کی ضرورت ہوئی۔ تو انہوں نے غائبانہ ہمارے والد بزرگوار کو چنا جو ان دنوں نارمل میں اول رہے تھے اور حساب مساحت الجبرا اور اقلیدس میں اس قدر ماہر تھے کہ ان کی مدد سے ان کے استاد نے حساب کا ایک رسالہ لکھا جو نصاب تعلیم میں منظور ہو گیا تھا۔ حضرت والد صاحب کے زہد اور تقویٰ سے مرزا صاحب اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کا عقد اپنی خواہر زادی سے کر دیا۔ اور چونکہ مدرسہ انگریزی مڈل اور بعدہ انٹرنس کے درجہ میں تبدیل کیا گیا تو والد صاحب نے ان دنوں انگریزی انٹرنس کا امتحان دے کر اعلیٰ درجہ میں کامیاب ہوئے۔

مرزا صاحب بڑے صاحب علم و فضل اور صوفی باصفا تھے۔ جہاں کسی بزرگ کا سنتے اس کو ملنے جاتے اس زمانہ میں صوبہ سرحد میں دو بڑے

اشخاص بزرگ مانتے جاتے تھے۔ ایک ملا صاحب صوات اور ایک ملا صاحب کوٹھہ۔ اول الذکر کو وہ صوات ملنے گئے۔ وہ فرماتے تھے کہ ملا صوات صاحب صاحب توجہ تھے لیکن بے علم تھے۔ ان کا ذکر سنایا کہ عصر کی نماز انہوں نے عامیوں کی طرح جلدی جلدی پڑھ لی تو میں نے پوچھا کہ آپ نے نماز عامیوں کی طرح جلد جلد پڑھ لی اور پوری توجہ نہیں دی تو ملا صوات صاحب نے جواب دیا کہ اگر کوئی نوکر اپنے آقا کا کام جلدی کر دے تو اچھا ہے کہ دیر لگا دے۔ اس کے مقابلہ میں ملا صاحب کوٹھہ کی توجہ اور علم کی تعریف کرتے تھے۔ جب ملا صاحب کوٹھہ وفات پا گئے تو وہ فاتحہ کے لئے ان کے گاؤں گئے وہ فرماتے تھے کہ عصر کا وقت تھا اور قبرستان میں گذر کر گاؤں کو جا رہا تھا خیال آیا کہ نماز عصر پڑھکر فارغ ہو کر قبر پر دعا کروں گا۔ کہ میں نے تمثیلی شکل میں صاحبزادہ صاحب کو دیکھا اور مجھ سے مخاطب ہوئے کہ خدا کو آپ کی نماز کی اتنی ضرورت نہیں جتنی ایک دوست کو تمہاری ملاقات اور دعا کی۔ چنانچہ میں فوراً مڑا اور پہلے ان کی قبر پہ دیر تک فاتحہ پڑھا اور بعدہٗ گاؤں کو چلا گیا۔

وہ اچھے حکیم بھی تھے لیکن طبابت کو بطور پیشہ اختیار نہ کیا تھا ہاں بعض دوستوں آشناؤں، غریبوں کو نسخہ لکھ دیتے یا دوا دیتے تھے۔ ان کا قول تھا کہ انسان کی اصلی خوراک روٹی اور شوربا ہے۔ اور روٹی کے بعد حلوا استعمال کی تاکید کرتے تھے اور دسترخوان پر اچار چٹنی وغیرہ ہیچ چیزوں سے پرہیز کی تاکید کرتے تھے۔

کوٹھے ملا صاحب کا ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ ایک دن فرمانے لگے کہ ہمارا زمانہ گذر گیا اب مہدی کا زمانہ شروع ہوگا - اور دریافت پر جواب دیا کہ اس کی زبان پنجابی ہوگی - اس بارہ میں انکی شہادت بھی حضرت مرزا صاحب مسیح موعودؑ کی کتاب میں درج ہے - حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ جب حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے براہین احمدیہ کی طباعت کے لئے امداد کی اپیل کی تو انہوں نے بھی کچھ رقم اعانتاً ارسال کی تھی اور جب براہین احمدیہ ان کو ملی اور انہوں نے پڑھی تو ہمارے والد صاحب کو فرمانے لگے کہ اس شخص کی تحریر مسیح ناصریؑ کی تحریر و تقریر سے ملتی ہے - انہوں نے ابھی تک کوئی دعوےٰ تو نہیں کیا ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ وقت آجائیگا کہ وہ دعوےٰ کریں گے -

ہمارے والد بزرگوار کو حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے دعوے مجددیت سے بہت پہلے ... فرمایا کرتے تھے ....

کہ مسیحؑ فوت ہو گئے ہیں اور ہمارے والد صاحب صرف و نحوی بحث جب کرتے تو فرماتے مولانا صاحب اتنا آپ عقل سے کام نہیں لیتے کہ خدا کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ حضرت مسیحؑ کو دو ہزار سال تک آسمان پہ بٹھائے رکھے کیا اس جیسا کوئی اور انسان نہیں بنا سکتا تھا، اور خدا تعالےٰ تو فرماتا ہے ما جعلنا الرجل من قبلك المخلد سورۃ الانبیاء وما ارسلنا قبلك من المرسلين الا انهم ليا كلون الطعام

یمشون فی الاسواق (الفرقان) وما جعلناھم جسداً لا یاکلون الطعام وما کانوا خالدین (سورۃ الانبیا)۔ مسیحؑ بھی انسان تھے اور حوائج بشری سے مستثنیٰ نہ تھے اور خدا ان کی بابت فرماتا ہے کانا یاکلان الطعام (المائدہ) مسیحؑ اور انکی والدہ دونوں طعام کھایا کرتے تھے جو ماضی کا صیغہ ہے اور اگر مسیح زندہ ہے اور کھانا نہیں کھاتا اور پھر بھی زندہ ہے تو ان کی والدہ بھی بغیر خوراک سے زندہ رہنا چاہیئے کیونکہ دونوں کا ذکر یکجا ہے۔ پھر مسیحؑ کے لئے خاصکر فرمایا کیونکہ انکو عیسائیوں نے بشریت کے لوازم سے مستثنیٰ کر کے الوہیت کا درجہ دیا تھا ورنہ اور کسی نبی کا خاص طور پر یہ ذکر نہیں فرمایا۔ حضرت مسیحؑ اور ان کی والدہ کے متعلق فرمایا کان یاکلان الطعام۔ غرض یہ بحث کبھی کبھی ہوجاتی اور جب مرزا صاحب نے دعوےٰ کیا تو ہمارے والد بزرگوار کو فرمانے لگے اب تشریف لے جایئے اصل مدعی آگیا ہے۔ اب اس مسئلہ کی صفائی اس کا کام ہے۔ چنانچہ حضرت والد صاحب تشریف لے گئے اور لودھیانہ میں حضرت مرزا صاحب کو ملے جبکہ وہ ابھی بیعت نہیں لیتے تھے اور واپس تشریف لے آئے اور جبکہ حضرت مرزا صاحب نے بیعت کا اعلان کیا تو دوبارہ تشریف لے جاکر بیعت سے مشرف ہوئے۔ حضرت مرزا محمد اسمٰعیل صاحب نے تو حضرت مسیح موعود کی بیعت بڑی مدت تک نہیں کی تھی۔ ان سے ایک دفعہ دریافت کیا گیا کہ آپ پھر بیعت کیوں نہیں کرتے تو فرماتے

کہ میں عالم کشف میں بیعت کر چکا ہوں ۔ جب ان کو کہا گیا کہ کشف کو خارج میں بھی وجود دینا چاہیئے تو فرمایا کہ مجھے اعتراض تو نہیں میری بیعت کے لئے لکھ دو (خود اس وقت معذور تھے) چنانچہ بیعت کا خط لکھا گیا اور وہ بیعت میں شامل ہو گئے ۔

علاقہ پشاور میں وہ فرماتے کہ سید عابد شاہ سکنہ گلوزائی ایک تعدا رسیدہ اور نیک انسان تھے ۔ وہ ایک دفعہ کا ذکر فرماتے ہیں کہ جب مجھے پہلے پہل گلوزائی ان کو ملنے کے لئے جانا پڑا تو میں گھوڑے پر سوار اور ملازم میرے ساتھ ہمرکاب تھا ۔ جب پانی کی ایک نالی سے گذرے تو مجھے ملازم نے کہا کہ گلوزائی کی حد شروع ہو گئی ہے چنانچہ فرماتے کہ میں نے خود محسوس کیا کہ اس زمین پر انوار کی بارش ہے چنانچہ میں گھوڑے سے اتر گیا ملازم نے کہا کہ اصل گاؤں بھی آدھ میل ہوگا تو فرمایا کہ میں اپنی خوشی میں پیادہ جاتا ہوں ۔ ایک دفعہ ذکر فرمایا کہ اس بزرگ کا خاصہ تھا کہ باہر حجرہ میں زمین میں ایک دیگ دفن کیا تھا اور اس کا منہ بند کرنے کیلئے چمڑے کا ایک ڈھکنا بنایا تھا جس کو تالا بھی لگتا تھا چنانچہ جو لوگ لنگر کے لئے کچھ نقد امداد دیتے اس میں بند کر دیتے اور گھر نہ لے جاتے نہ گھر کے مصرف میں کام لاتے ۔ ایک دفعہ کسی نے ان کی تعریف کی تو فرمانے لگے میری تعریف میری اہلیہ سے معلوم کرو وہ ان سے ہمیشہ جھگڑتی کہ روپیہ باہر رکھ لیتا ہے گھر کیوں نہیں دیتا ۔ وہ فرماتے وہ ان کے اخراجات کے لئے ہے نہ ہمارے ۔

اخبارِ عالم کا ان کو بڑا شوق تھا اور روزانہ اخبار سنتے۔ ۱۹۱۲ء
میں ان کا وصال ہوا اور بڑی مدت پہلے وہ فرماتے کہ جرمنوں اور انگریزوں
کی سخت لڑائی ہوگی لیکن ہم نہیں دیکھ سکیں گے۔ تم دیکھ لوگے۔ لالہ دربخاں
صاحب نے جو روزانہ خبر سناتے کہا کیا معلوم ہم دیکھیں کہ نہیں تو فرمایا
جلدی ہو جائے گی اور تم ضرور دیکھ لوگے۔

تعبیر الرؤیاء:-

خوابوں کی تعبیر کرنے میں ان کو بڑی مہارت تھی۔ چنانچہ انکو جاننے
والے بڑی بڑی دور سے اپنی خوابیں لکھتے اور تعبیر دریافت کرتے۔
مجھے تو یاد ہے کہ میری اہلیہ نے خواب دیکھا کہ آسمان میں چاند
دکھائی دیا جو نصف سفید ہے اور نصف سیاہ۔ ان دنوں انکی آنکھوں
کی بینائی جاتی رہی تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ سیڑھیوں سے پھسل گئے تھے۔
اور اس صدمہ سے بینائی جاتی رہی تھی۔ اس لئے میری اہلیہ سے کہا کہ ایک
بات دریافت کروں گا شرم نہ کرنا اور ٹھیک جواب دینا کہ تیرے خواب
کی تعبیر بتاؤں اس نے کہا آپ دریافت فرمائیں تو انہوں نے پوچھا
کہ تو حاملہ تو نہیں اس نے بتایا کہ میں حاملہ ہوں تو انہوں نے فرمایا کہ تمہارے
خواب کی تعبیر یہ ہے کہ تمہارے گھر لڑکی پیدا ہوگی اور وہ ایسے مرض
سے وفات پائے گی کہ نصف بدن سفید ہوگا اور نصف سیاہ۔ چنانچہ
لڑکی اپنے ٹھیک میعاد پر پیدا ہوئی اور وہ چیچک سے مرگئی تو تقریباً
یہی حالت تھی کہ چیچک کے داغوں سے نصف بدن سیاہ تھا۔

حضرت خضرؑ:-

ایک واقعہ سناتے تھے کہ سندھ کے ریگستان میں سے گذر رہا تھا اور گرمیوں کا موسم اور دوپہر کا وقت تھا کہ راستہ بھول گیا۔ کچھ دور جا کر مجھے محسوس ہوا کہ راستہ میں بھول گیا ہوں۔ حیران اور پریشان تھا۔ دل میں کہا کہ محمد اسمٰعیل آج اسی بیابان میں تیری مرگ مقدر ہے۔ نہ پانی نہ کوئی جھاڑی کہ ذرا سایہ کا سہارا لے سکوں نہ عام راستہ یا شاہراہ عام کہ کسی سے راستہ دریافت کر سکوں۔ اتنے میں دیکھتا ہوں کہ ایک سفید ریش نمودار ہوا اور کہا جوان معلوم ہوتا ہے کہ تم راستہ بھول گئے ہو۔ میں نے کہا کہ ہاں میں نے فلاں جگہ جانا ہے لیکن راستہ بھول گیا ہوں۔ اس نے مجھے بتایا کہ اس طرف سیدھے چلتے جاؤ آگے تم منزل مقصود تک پہنچ جاؤ گے۔ میں نے دریافت کیا کہ آپ کا ادھر کہاں اس بیابان میں ایسے وقت گذر ہوا تو اس بزرگ نے یہ شعر پڑھا ؎

برات رزق کہ ہر جا دادہ اند رقم
مقدر است نہادن بہ آن دیار قدم

جب وہ گذر گیا تو مجھے خیال آیا کہ خضر نہ ہوں مڑ کر جو میں نے دیکھا تو کوئی بھی نہیں تھا۔ . . . . . اس شعر کے معنی یہ ہیں کہ رزق کا چیک جس جگہ کا دیا جائے۔ یہ تقدیر میں مقدر ہے کہ اس جگہ انسان کے قدم پہنچیں۔

ایام غدر ۱۹۵۷ء کا ایک واقعہ عجیب وہ سناتے تھے۔ انہوں

نے بیان کیا کہ ان دنوں وہ ملتان میں تھے ایک مجذوب فقیر بازاروں میں کہتا پھرتا تھا کہ مارو اور نکالو انگریزوں کو ہندوستان سے۔ چونکہ بے چینی فوج میں بھی سرایت کر چکی تھی اور ایک رسالہ کا رسالدار جو قوم کا سدوزائی تھا اور لدھیانہ کا رہنے والا تھا اس پر بھی بے وفائی کا شبہ پیدا ہو گیا تھا اس لئے رسالہ کو باہر خالی ہاتھ پریڈ پہ نکال کر انگریزوں نے ان کے ہتھیاروں کے سٹور پر قبضہ کر لیا اور دوسرے دن رسالدار کو جیل بھجدیا۔ اور اس فقیر کو بھی۔ چنانچہ وہ نزدیک تھے جیل میں ایک دوسرے سے ملتے رہے۔ ایک صبح اس مجذوب سے دریافت حال کیا تو اس نے شہزادہ (رسالدار) کو کہا کہ کل رات ہمارے غوث صاحب نے مجھے اور مجھ جیسے فقیروں کو دہلی بلایا تھا اور وہاں کانفرنس تھی۔ غوث صاحب نے کہا کہ میں یہ خون ریزی نہیں دیکھ سکتا اگر کوئی مسلمان حکومت حکومت لائق بادشاہ ہے تو بتاؤ ورنہ ہندوستان کی بادشاہی انگریزوں کے حوالہ کی جائے گی۔ مندوبین مجلسِ اولیاء نے افغان بادشاہ کا نام پیش کیا تو غوث صاحب نے کہا کہ ان میں حکومت کی لیاقت کہاں ہے۔ ترکوں اور ایرانیوں کے نام پیش کئے تو غوث صاحب نے اُن کے حال زار کا نقشہ کھینچکر بتایا کہ وہ اس لائق نہیں۔ غرض آخر سب پہ جرح کیا گیا۔ اور ہم لوگ لاچار ہوئے تو غوث صاحب نے کہا کہ اگر مسلمان سلطنتوں میں حکومت کی لیاقت ہوتی تو چھ سات ہزار میل سے ان کو بلا کر ہندوستان اُن کے حوالے کیوں کیا جاتا۔ اس

حکومت اب پھر ان کے سپرد کی جاتی ہے اور سب مندوبین رخصت ہو گئے۔ شاہزادہ صاحب نے کہا کہ آپ تو رات جیل میں تھے دہلی کب سے گئے۔ تو آپ نے جواب دیا کہ ہم یہاں بھی تھے اور وہاں سے بھی ہو آئے۔ شہزادے (رسالدار) نے پوچھا کہ ہمارا کیا ہوگا۔ اس نے کہا کہ کل ڈپٹی کمشنر آئے گا اور مجھ کو اور تم کو رہا کر دے گا۔ میں کشمیر جاؤں گا اور تم جہاں چاہو رہو۔ چنانچہ واقعی یہی ہوا۔ صبح ڈپٹی کمشنر صاحب آئے اور مجذوب پیش ہوا کہ یہ کون ہے یہ وہی فقیر ہے جو نعرے لگاتا تھا کہ انگریزوں کو قتل کرو، ہندوستان سے نکالو۔ صاحب نے کہا جانے دو یہ کیا کر سکتا ہے۔ پھر رسالدار پیش ہوا کہ یہ رسالدار صاحب ہیں جو رسالہ میں بغاوت پھیلا رہے تھے۔ ڈپٹی کمشنر صاحب کہا ان کو بھی چھوڑ دو۔ چنانچہ فقیر اور رسالدار راولپنڈی تک یکجا آئے فقیر نے کہا ہمیں حکم ہوا ہے کہ کشمیر جاؤ ہم وہاں جا رہے ہیں اور رسالدار پشاور چلا گیا جہاں اُن کے رشتہ دار تھے۔

جنّات :-

جنات کے متعلق وہ اپنا تجربہ سناتے تھے کہ وہ پہلے پہل پشاور آئے تو ایک مکان کرایہ پر لیا چنانچہ کچھ مدت کے بعد ہم نے ارادہ ارادہ کیا کہ اس مکان کو چھوڑ دیں تو ایک رات ایک شخص نمودار ہوا اور کہا کہ آپ اس مکان کو چھوڑ رہے ہیں آپ کچھ دن اسی جگہ رہیں کہ آپ کے تہجد پڑھنے اور قرآن پڑھنے سے ہمیں فائدہ ہوتا ہے

اس لئے پوچھا کہ تم کون ہو کہا کہ ہم یہاں قید ہیں اور ہماری میعاد آپ کی تہجد خوانی اور قرآن خوانی سے کم ہو گئی ہے اور ہم عنقریب یہاں سے چلے جائیں گے۔ پھر دریافت کیا کہ تم نے کب جانا ہے اور کیسے معلوم ہوگا کہ تم نے کس دن جانا ہے اس نے کہا کہ ہمارے جانے کی نشانی یہ ہوگی کہ آپ کے سامنے کے گھر کی ٹٹی گر جائیگی۔ چنانچہ ایک دن دوپہر کے وقت جبکہ نہ بارش تھی اور نہ کوئی زلزلہ آیا تھا تو وہ ٹٹی گر گئی۔ چنانچہ اس ٹٹی کے گر جانے کے بعد ہم نے انتقال مکان کر لیا۔

دوسرا واقعہ یہ بیان فرمایا کہ ہمارے ہاں کابل سے چند مہمان آئے تھے۔ اور ایک لڑکی پر جن کا اثر ہو جاتا تھا چنانچہ ہمارے ہاں جب اُن کا قیام تھا ایک دن اس پر اثر شروع ہوا تو میں نے پوچھا کہ تم کون ہو اور اس لڑکی کو کیوں تکلیف دیتے ہو تو اس نے کہا میں ملا ہوں یہ لڑکی جب کابل میں تھی کھیلتی پھرتی تھی۔ مجھے اس سے انس پیدا ہو گیا۔ تو کبھی کبھی اسکو دیکھنے جاتا۔ عرصہ سے وہ کابل میں نہ تھے معلوم ہوا وہ پشاور میں آئے ہیں اس کو دیکھنے آیا تکلیف دینا غرض نہیں اور نہ کوئی اور غرض ہے۔ پیار کی وجہ سے کبھی کبھی اسکو دیکھنے آتا ہوں۔ جب اس پر علمی سوالات کئے گئے تو اس نے ایسے جواب دیئے جو ایک مُلا ہی دے سکتا تھا۔ اس نے پھر کہا کہ میں اب جاتا ہوں پوچھا کیا نشانی ہوگی؟ اس نے کہا اب دروازہ اندر سے کنڈی کر دیں جب میں نکلوں گا کنڈی اندر سے کھل جائے گی چنانچہ میں نے دروازہ کو اندر سے کنڈی

چڑھائی اور اس نے کہا اسلام علیکم اور ساتھ ہی کنڈی کھل گئی۔

تصوف :-

پادری ہیوز ان کے زمانہ میں پشاور میں چرچ مشنری سوسائٹی کا افسر اعلیٰ تھا اور سرکاری حلقہ میں اس کا بڑا اثر اور رسوخ تھا۔ چنانچہ پادریوں کی سفارشوں نے بہت سے مشن سکول کے طالب علموں کو سرکار برطانیہ بطور نائب تحصیلدار ڈپٹی اور پولیس افسر لیتے تھے۔ ہمارے نانا صاحب بائبل کے پشتو ترجمہ میں مدد دیتے تھے۔ ایک دن پادری صاحب نے کہا مرزا صاحب آپ تصور شیخ کرتے ہیں اور تصور محمد صاحب (رسول اکرمؐ) آپ تصور مسیح بھی کر کے دیکھیں۔ تو مرزا صاحب نے جواب دیا کہ پادری صاحب ہم لوگ تو تصور خدا کرتے ہیں خدا تعالیٰ کا حکم ہے تخلقوا باخلاق اللہ ہے اپنے اندر وہ وہ اخلاق پیدا کرو جو اللہ تعالےٰ کے اخلاق ہیں۔ اور اس منزل پر پہنچنے کے لئے رسول اکرمؐ کے نقش قدم پر چلنے کا حکم ہے نہ کہ تصور کا کیونکہ وہ ایک نبی ہے جو دنیا سے اپنے مشن کو کامیاب دیکھ کر رخصت ہوا اور وہ زندگی کے ہر پہلو میں ایک نمونہ ہے۔

پشتو ادب

پادری ہیوز کی استدعا پر بائبل کا پشتو ترجمہ انہوں نے کیا۔ اور بڑی مدت تک انگریزوں کو پشتو پڑھاتے رہے۔ اس دوران میں جبکہ وہ میجر راورٹی کے استاد رہے جو علم کا بڑا شیدائی اور تحصیل علم میں ذوق اور شوق رکھتا تھا انکے ہمراہ ہندوستان کی اکثر چھاؤنیوں میں رہے اور سکھوں اور انگریزوں کی جنگ کا حال بھی سنایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ہمارے اس کہنے پر کہ آجکل گورہ فوج تو ڈبل روٹی مکھن، چائے اور شراب وغیرہ اکل و شرب کے دلدادہ ہیں یہ کیسے لڑتے تھے تو فرمایا کہ وہ گورے جنہوں نے ہندوستان فتح کیا اس قسم کے نہ تھے فرمایا چیلیانوالہ کی لڑائی انہوں نے دیکھی، نہر کے پار سکھوں نے مورچے لگا رکھے تھے۔ اور گورہ فوج نے حملہ کرنا تھا چنانچہ وہ بلاخوف و خطر نہر میں کود پڑے اور ایک کے بعد دوسرا یہاں تک کہ نہر کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پہنچ گئے اور انہوں نے اپنے سر نیچے کر لیے اور فوجی جوان اُن کے شانوں پر چلتے نہر کے دوسری طرف اُتر گئے اور سکھ شکست کھا کر بھاگ گئے۔ چنانچہ پا پیادہ گورہ فوج نے ان کا تعاقب کیا اور راولپنڈی تک ان کو دم نہیں لینے دیا۔

میجر ایچ۔جی۔راورٹی :۔

میجر راورٹی بڑے علم دوست تھے انہوں نے نہ صرف فارسی اور

پشتو سیکھی بلکہ حضرت مرزا صاحب کی مدد سے ایک پشتو گرامر لکھی۔ اور خوشحال خاں خٹک کے منظوم کلام کا ترجمہ بھی میجر راورٹی نے اُن کی مدد سے کیا اور یہ خوشحال خاں کی نظموں کا اولین انگریزی ترجمہ تھا جو لنڈن میں ۱۸۶۰ء میں طبع ہوا۔ پشتو گرامر ۱۸۶۷ء اور گلشن رُوح ۱۸۶۰ء میں طبع ہوئیں۔ اور افغانوں کے انساب کے متعلق ایک مقالہ ۱۸۵۴ء میں پشتو میںوئل ۱۸۹۰ء میں چھپا۔ ان سب کتابوں کی طباعت لندن میں ہوئی ؀

تحدیث نعمت کے طور پر اپنے متعلق فضل رحمانی کے چند واقعات کا ذکر

سب سے اوّلین فضل الٰہی یہ ہوا کہ مجھے ایک مسلمان گھرانے میں جنم دیا۔ اور پھر اپنی رحمت سے مجھے ایسے خاندان میں جنم دیا جن کو خداوند ارحم الراحمین نے اپنی مشیت کے ماتحت قندھار اور ربانوالی سے پشاور میں جمع کیا اور ان غریب الوطنوں کو اس سرزمین میں تمکین عزت شہرت حکومت دستر خوان ابراھیمی سے سرفراز فرمایا اور سب سے بڑھ کر ہمارے نانا صاحب میرزا محمد اسمٰعیل صاحب اور حضرت والد صاحب بزرگوار کو اپنے مسیح مجدد صد چہاردہم کے حواریوں مددگار اور معاونوں سے بنایا اور قوم افاغنہ میں سے سب سے اوّل حضرت مسیح موعودؑ کی بیعت کرنے کا فخر بخشا رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علیّ وعلیٰ والدیّ وان اعمل صالحاً ترضاہ واصلح لی فی ذریتی انی تبت الیک وادخلنا برحمتک فی عبادک الصالحین۔

طفلی میں پشاور میں ہیضہ پھوٹ پڑنے سے میری مرضعہ (دودھ پلانے والی دایہ) اپنے قبائلی علاقہ کو بھاگ گئی اور میری پرورش میرے نانا صاحب میرزا محمد اسمٰعیل صاحب نے کی۔ اور یہ بھی میرے ربّ کا مجھ پر خاص فضل تھا کہ میرے بھائیوں اور بہنوں سے مجھے بالخصوص ایک

خاص رحمت کا سلوک کیا اور ایک بزرگ ہستی کو میرا خاص نگران حال بنایا طالب علمی کے زمانہ میں خدا کا یہ خاص فضل ہوا کہ ہم تین بھائیوں کو حضرت والد صاحب نے قادیان تعلیم کے لئے بھیجا۔ میرے دوسرے بھائی تو سال دو سال کے بعد واپس چلے گئے اور مجھے زیادہ عرصہ وہاں ٹھیرنا پڑا۔ مڈل اور انٹرنس کا امتحان میں نے امرتسر جاکر دیا۔ وہ ہمارے علاقہ کے امتحانات کا مرکز تھا۔ میں انٹرنس کے امتحان میں فیل ہو گیا اور یہ بھی میرے لئے موجب برکات ہوا کیونکہ مجھے اس مقدمہ کے دوران میں جو مولوی کرم دین ساکن بھیں نے حضرت صاحب کے خلاف دائر کیا تھا حضرت صاحب کی معیت میں لاہور اور گورداسپور رہنا پڑا۔ اور اس دوران میں وہ تجلیات دیکھے جو قادیان کی نارمل زندگی میں میسر نہ آسکتے تھے۔ حضرت صاحب کا صبر اور استقلال اور توکل باللہ کا وہ نشان دیکھا جو ایک مامور ہی دکھا سکتا تھا۔ آریہ مجسٹریٹ کا جو مخالفت پر تلا بیٹھا تھا کا بیٹا مرگیا اور اس کی بیوی نے خواب دیکھا کہ حضرت مرزا صاحب کی مخالفت چھوڑ دو۔ وہ وہاں سے بدل گیا، دوسرے مجسٹریٹ پر جو ہندو تھا اور آریہ سماج والوں نے اس پر بھی زور ڈالا۔ حضرت صاحب احاطہ عدالت کے باہر جامن کے درختوں کے جھنڈ کے قریب ایک بہت بڑی دری کے فرش پر بیٹھے رہتے اور سائلوں کے سوالات کے جوابات دیتے یا کسی موضوع پر وعظ فرماتے یا درختوں کے نیچے ٹہلتے رہتے۔ اس دوران قیام میں مجھے حضرت صاحب کی خاص خدمت کا بھی موقع میسر

آیا۔ مجھے چند دن بخار کی تکلیف رہی، جب حضور کو معلوم ہوا تو ڈاکٹر محمد اسمٰعیل صاحب کو حکم دیا ہوا تھا لیٹے تھے کہ فوراً توجہ دے کر علاج کریں......... مجسٹریٹ کو ایک شرارت سوجھی کہ حضرت پر جرمانہ کی سزا دے اور سزا اس وقت سنائے جبکہ عدالت اُٹھنے والی ہو اور اگر جرمانہ ادا نہ ہوا تو حوالات میں رہنا پڑے گا۔ خواہ ایک رات ہی کیوں نہ ہو۔ خدا کی شان کہ جبکہ حکم سنانے کے لئے بلایا گیا تو حضرت صاحب اندر گئے اور خواجہ کمال الدین صاحب کو ایک شخص نے گھیر لیا کہ اپنی فیس جو ہیں نے دینی ہے لے لیں خواجہ صاحب نے کہا کہ چھوڑو حضرت صاحب چلے گئے ہیں لیکن اس شخص نے ۹۰۰/- روپیہ کا بنڈل خواجہ صاحب کے حوالہ کیا کہ گن لیں خواجہ صاحب نے بغیر گنے جیب میں ڈال دیا اور جب مجسٹریٹ نے حکم سنایا کہ ۹۰۰/- روپیہ جرمانہ تو خواجہ صاحب نے فوراً وہ بنڈل جو نہیں گنا تھا میز پر رکھ دیا اور وہ ۹۰۰/- روپیہ کا بنڈل تھا۔ مجسٹریٹ کا ایک حیرت اور تعجب سے زرد پڑ گیا اور وہ مبہوت ہو گیا جو فبهت الذی کفر کا نظارہ تھا۔ ان مقدمات کے دوران میں جو لوگ ساتھ رہتے تھے اُن کے ازدیادِ ایمان کے لئے نت نیا سامان ہوتا۔ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب اور مولوی محمد علی صاحب حضرت صاحب کی طرف سے وکیل تھے دونوں نے بڑی خدمت کی اور ان دونوں کو پھر خدا تعالیٰ نے اشاعتِ اسلام کی خدمت کا موقع اور خاص توفیق عطا فرمائی، ہمارے ذوق اور شوق کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ حضرت بٹالہ روانہ ہوئے قادیان

ہیں ان دنوں صرف یکے چلتے تھے اور نواب محمد علی خاں کا جو مالیر کوٹلہ سے ہجرت کر کے قادیان آ گئے تھے ایک دو بیلوں کا رتھ تھا چنانچہ اس میں حضرت صاحب تھے باقی احباب یکوں میں اور بٹالہ سے انہوں بذریعہ ریل گورداسپور جانا تھا میں اور میرا ایک رفیق جن کا نام عبد اللہ تھا اور ہمارے پشاور کے ماسٹر فقیر اللہ صاحب کا (جو پشاور سے ہجرت کر کے قادیان آ گئے تھے) بھانجا تھا پاپیادہ دیہات کے رستہ گورداسپور روانہ ہوئے اور اکثر حصہ راستہ دوڑ دوڑ کر کاٹا، اس شوق میں کہ حضرت صاحب سے پہلے گورداسپور پہنچ جاویں چنانچہ ہم پہلے پہنچے۔ ہم تو طالب تھے ہمارے شوق سے ان اصحاب حضرت مسیح موعود کے شوق اور جذبہ کا اندازہ کر سکتے ہیں جو تن من مال ہر وقت قربان کرنیکو تیار تھے۔

حضرت خواجہ کمال الدین صاحب ان دنوں پشاور میں وکالت کرتے تھے اور ان مقدمات کی وجہ سے ان کو اکثر آنا اور ٹھہرنا پڑتا) کیونکہ ہندو مجسٹریٹ تکلیف دینے کے لئے لمبی تاریخیں اور کبھی چھوٹے چھوٹے وقفوں پر تاریخیں دیتے تھے تاکہ حضرت صاحب اور ان کے اصحاب کو آتے اور جاتے رہنے کی بھی اور مصارف کی تکلیف ہو، اور متواتر گورداسپور میں ایک بڑی جماعت مخلصین کے رہنے سہنے کے اخراجات اُٹھانے میں تکلیف ہو۔ خواجہ صاحب اس حالت کو پہنچ گئے تھے۔ کہ ان کے گھر کا سارا زیور خانگی اخراجات اور اخراجات سفر کے لئے بک گئے اور بڑی تنگدستی سے گذارہ کرتے تھے۔ لیکن خدا کسی کا

قرض نہیں رکھتا - دنیا میں بھی دیتا ہے اور آخرت کا اس لئے یقینی ہے
اس نے خواجہ صاحب کو اور ان کی اولاد کو اور مولوی محمدؐ علی صاحب اور
ان کی اولاد کو مالا مال کر دیا -

سکول کے بعد جب ملازمت میں نکل کر بلوچستان جا رہا تھا تو
مجھے حضرت والد صاحب بزرگوار نے ایک لائحہ عمل لکھ کر دیا جس کا
ایک فقرہ یہ تھا کہ کبھی کسی سے سوال نہ کرنا سوائے خدا تعالےٰ
کے اور جو کچھ میں نے پایا خدا سے پایا - اس پر میں نے ایسی سختی
اور پابندی سے عمل کیا کہ سارے ایام ملازمت میں جو ۳۵ سال
اور بعدہٗ بھی ۵ سال مکرر ملازمت میں رہ کر کبھی کسی جگہ پوسٹ اور ترقی
کے لئے عرضی نہیں دی - اور مجھے جو ترقی ملی بغیر میری درخواست
کے ملی یہ تفصیل میں جاؤں تو مضمون لمبا ہو جاتا ہے ایک دو مثالیں
دیتا ہوں -

(۱) میں دفتر میں سب سے نیچے تھا کہ مجھے سنہ ۱۹۱۰ء میں ایک دم
ایسی ترقی ملی کہ میں سر دفتر سے دوسرے نمبر پر آگیا - یہ بغیر میری درخواست
اور بغیر کسی جدوجہد کے عطا الٰہی تھا -

۲ - پھر جب سنہ ۱۹۱۹ء میں دو سال کی رخصت لے کر دوکنگ گیا
اور میں ولایت ہی میں تھا کہ سر دفتری خالی ہوئی تو باوجود اس کے کہ نائب
پولیٹیکل ایجنٹ صاحب نے ایک دوسرے شخص کی سفارش کی لیکن
پولیٹیکل ایجنٹ صاحب نے مسترد کر کے مجھے مقرر کیا یہ ترقی بھی بلا بغیر

تھی غالب کی جس نے نہ درخواست کی ہو نہ جد وجہد کون پروا کرتا ہے۔
اور جب میں چھٹی سے واپس آکر حاضر ہوا تو ۱۹۲۱ء میں امیر امان اللہ خاں کے عہد میں اولین سفارت برطانیہ نے جانا تھا تو جلالتمآب سفیر صاحب نے مجھے ساتھ لے جانے کو کہا لیکن چونکہ وہ تنخواہ کم تھی میں نے انکار کر دیا اور اور ایک ماہ تک روانگی سے اوّل ان کا قیام پشاور رہا اور چند اور دن کابھی انہوں نے امتحان لیا (میرا کوئی امتحان نہیں لیا تھا) لیکن ایک ماہ بعد مجھے پھر ہمارے دفتر میں ملنے آئے اور وہی تنخواہ دینا کیا جس کا میں نے مطالبہ کیا تھا۔ اور فرمایا کہ میں نے دہلی سے خاص منظوری منگوائی۔ چنانچہ چنانچہ دوسرے دن میں نے اپنے دفتر کا چارج دوسرے شخص کو دیا اور اس کے دوسرے دن کابل روانہ ہو گئے۔ یہ خدا تعالےٰ کا خاص فضل تھا ورنہ آدمیوں کی کیا کمی تھی۔

کابل بھی ایک عجیب جگہ ہے۔ فلسطین میں بھی ایک شہر تھا۔ عبرانی میں کابل میلی اور گندی جگہ کو کہتے ہیں۔ ممکن ہو فلسطین کا سمندر کے کنارے کا شہر اس زمانہ میں اسم با مسمی ہو لیکن ہم نے سنہ ۱۹۲۰ء میں یعنی دو ہزار سال بعد وہ شہر کابل دیکھا جو پہلے کابل کے نام پر موسوم کیا گیا تو وہ ویسا ہی گندہ اور غلیظ اور تنگ شہر تھا جو اس زمانہ میں اسم با مسمیٰ ہے۔ سب سے اوّل امیر حبیب اللہ خاں نے جو ہندوستان کا دورہ کر گئے تھے انگریزی طرز کی عمارتیں جلال آباد میں بنائیں جن میں سے ایک کو جس میں وہ خود ٹھہرتے تھے اپنے لقب پر سراج العمارت رکھا۔ ان کا لقب تھا سراج الملت والدین

امیر حبیب اللہ خاں۔ کابل میں دلکشا کی کوٹھی انگریز انجینیروں نے بنائی۔ کابل میں ۱۹۲۰ء میں یہ حالت تھی کہ بعض جگہ سے گذرتے جہاں گلی چھتی ہوئی ہوتی تو اوپر سے پاخانہ اور پیشاب گرتا۔ یہ شہر کبھی کا منا ہوتا لیکن قدرتی حالت اس کی یہ تھی کہ ۰۰۰، فٹ سطح سمندر سے بلند مقام ہونے کی وجہ سے کافی حد تک وبائی بیماریوں سے بچا تھا ورنہ یہ ناپاکی اور گندگی سے وہ ناقابل رہائش جگہ ہوتی۔

امیر امان اللہ خاں کے وقت جبکہ اس کی حیثیت ایک آزاد حکومت کی ہوگئی اور ممالک غیر بالخصوص ممالک مغرب کے سفراء کے سفارت خانے کھل گئے تو شہر کی صفائی کے متعلق بھی توجہ دینی لازم ہوگیا لیکن اندرون شہر یعنی پرانی آبادی میں کوئی ترمیم نہیں ہوسکی۔ کابل میں قصر دلکشا جو امیر حبیب اللہ خاں کے محل شاہی کے احاطہ میں بنائی تھی اس کو وزارت خارجہ کا دفتر بنا دیا گیا امیر حبیب اللہ خاں کے عہد میں امریکن اور انگریز انجینیروں کی مدد سے جبل سراج سے جو کابل سے ۴۰ میل کے فاصلہ پر ہے پن بجلی کا کارخانہ بنایا گیا تھا اور وہاں سے شہر کو بجلی آتی تھی لیکن حالت یہ تھی کہ شاہی اور سرکاری عمارتوں میں بعض بعض میں جہاں سردار رہتے تھے بجلی پہنچائی گئی تھی لیکن سارے شہر کی ایک مسجد میں بھی بجلی کا ایک قمقمہ بھی نہ تھا اور جنرل پوسٹ آفس (جو واحد ڈاک خانہ تھا) تک میں ایک بتی تک نہ تھی۔ اور سفارت برطانیہ کے جنرل ٹٹی پر تین بتیاں تھیں۔

کبھی جو شاہی سیاسی قیطعہ حوالہ کرتے جاتا تو پوسٹ ماسٹر صاحب کو غیرت

دلاتا کہ وہاں ہماری ٹنڈی میں تین بتیاں اور یہاں سرکاری ادارہ میں ایک بتی نہیں یہ سفرا جو آتے جاتے ہیں تمہارے لوگوں کے متعلق کیا رائے قائم کرتے ہوں گے ایک سال کے بعد مجھے پوسٹ ماسٹر صاحب نے بتایا کہ اس سال بجٹ میں پوسٹ آفس میں بجلی کا خرچ ڈالا گیا۔ میں نے کہا کہ یہ تو چند روپیوں کا خرچ تھا اس نے کہا غنیمت ہے کہ منظور ہو گئی۔ میں نے بتایا کہ جامع مسجد میں بھی ایک بتی تک نہیں تھی۔ بجلی تو جانے دو مسجد میں وضو کے لیے کوئی جگہ نہ تھی، نہ کوئی تالاب نہ نلکہ۔ جہاں سب بڑے بڑے لوگ رہتے تھے اور اس شہر میں بھی جس میں سفارت ٹھیری ہوئی تھی وہ درمکان تھے جس میں حبیب اللہ خاں شہزادگی کے وقت رہا کرتے تھے۔ جب میں سنہ ۱۹۲۸ء سے ۱۹۳۸ء تک وزیرستان تھا تو میراں شاہ کا ایک ملا جو قاضی صاحب کے نام سے مشہور تھے اور رسول کو اڈہ کے امام بھی رہے تھے جامع مسجد کی زبوں حالی کا نقشہ کھینچا وہ سالانہ یا ہر دوسرے تیسرے سال کابل جایا کرتے تھے۔ جامع مسجد کے قریب دریائے کابل کا نالہ تھا۔ جس میں ایک کنارہ کے قریب ایک معمولی پتلی نالی کی طرح پانی بہتا تھا وہاں لوگ استنجا اور وضو کر کے مسجد کو سڑک عبور کر کے جاتے۔ اور سڑک سے گذرتے لوگ ان نمازیوں کو استنجا کرتے دیکھتے کئی سال بعد مجھے قاضی صاحب نے بتایا کہ اس کے بار بار غیرت دلانے سے مسجد میں ایک تالاب بنانے کا ناپ لیا گیا۔ واللہ اعلم وہ مکمل ہوا کہ نہیں۔ ایک عجیب واقعہ جس پر غالباً کوئی کم ہی اعتبار

کرے گا لیکن ذکر کئے دیتا ہوں کہ وہاں کی تنظیم اور حسن کارکردگی کا اندازہ لگایا جاسکے۔

ایک دفعہ سفارت خانہ کی بجلی کی تاریں لیک کرنے شروع ہوئی۔ ہم نے فائر آفس کو اطلاع دی لیکن شام تک کوئی نہ آیا۔ کیا یہ کم حسنِ کارکردگی کا طریقہ ہے کہ بجلی گھر والوں کو ہم براہ راست نہ اطلاع دے سکتے تھے تو بلا سکتے تھے۔ شام تک جب کوئی نہ آیا اور بجلی کھمبے کو کھٹوں پر سرایت کر رہی تھی اور لوہے کے پرنالوں سے پٹاخے چل رہے تھے۔ آخر شام پڑتے پر مایوس ہو کر سفارت والوں سے ربڑ کے بوٹ پہن کر گولیدار بندوق سے فائرنگ شروع کی تاکہ تار وہاں سے کٹ جاوے جس ستون سے سڑک سے سفارت خانہ کو کانیکشن دیا گیا تھا۔ آخر گولیاں چلاتے چلاتے بڑے مشکل سے کامیابی ہوئی اور رات کو لوگ آرام سے نڈر ہو کر سو گئے۔ تار جو کٹی تو سڑک پر گری اور اب سڑک کی وہ حالت تھی جو سفارت کی اس قبل حالت تھی جو سفارت کی اس سے قبل حالت تھی۔ تیسرے دن جواب پہنچا کہ برقیخانہ کو اطلاع دی گئی ہے کہ نقص کو دور کر دیں۔

ایک اور اہم واقعہ امان اللہ خان کے عہد کا یہ تھا کہ امان اللہ خاں روس، انگلستان، اٹلی وغیرہ ممالک خارجہ کی سیاحت کے لئے گیا تو شاہ خانم یعنی ملکہ ثریا کو بھی ساتھ لے گیا۔ جو بادشاہ کے خسر محمود طرزی کے دمشقی یہودی بیوی کے بطن سے اور شامیوں کی طرح کسی قدر خوبصورت

تھی اور کابل کی بہترین خواتین میں اس کا شمار تھا۔ اس سفر میں وہ یورپین
جدیدوں کی طرح اکثر نیم عریاں لباس میں پھرتی تھی اور ان کی تصویریں جب
افغانستان پہنچیں تو جنوبی صوبہ یعنی خوست کے قبائل منگل وغیرہ شاہ
کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور یہ پراپیگنڈا شروع کیا گیا کہ وہ قادیانی ہو
گیا ہے اور قرآن کو نہیں مانتا کیونکہ یہ تو وہ پراپیگنڈا نہیں کر سکتے تھے
کہ وہ نصرانی ہو گیا ہے۔ اور شاہ خانم کو بے پردہ اور نیم عریاں لباس میں پھرا
رہا ہے۔ اور ناچوں میں حصہ لے رہے ہیں۔ انتظام کا یہ حال تھا کہ ایک
روز میں جادۂ شاہی (مال روڈ) پر جا رہا تھا میں وزارت حربیہ (یعنی وزارت
جنگ جس کو آج کل پاکستان میں وزارت دفاع کہتے ہیں) کے پاس سے گذر
رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ اٹلی سے دس ہزار رائفل جدید پہنچے تھے وہ
المجاریوں (یعنی رضاکار جنگجو قبائلیوں) پر تقسیم ہو رہا تھا جن کو منگلوں سے
لڑنے دھکیل رہے تھے۔ یہ کابل کے فوجیوں سے بہتر جنگجو اور فنونِ
جنگ قبائلی سے واقف ہوتے ہیں۔ راشن کا یہ حال تھا کہ کابل کے
تندروں پر روٹی پکتی تھی اور محاذ جنگ پر جو کافی دور تھا بھیجی جاتی تھی۔ چند
روز کے بعد وہ نانبائی جو سفارتوں کے ایریا کے قریب تھا اور جس سے
سفارت والے روٹیاں پکواتے تھے دوکان چھوڑ گیا۔ سفارت کے
ملازموں کو جب بازار میں کہیں ملا تو انہوں نے دریافت کیا کہ تم دکان
کیوں چھوڑ گئے تو اس نے بتایا کہ ایک پکوائی کی مزدوری نہیں دیتے ہیں،
دوسرے حکم کرتے ہیں آٹا بھی پاس سے دو۔ میرے پاس آٹا رہا

نہیں۔ سرکار سے ملتا نہیں اس لئے دوکان چھوڑ بیٹھا ہوں چونکہ امیر کابل کے خلاف پروپیگنڈا یہ تھا کہ قادیانی ہو گیا ہے اس لئے امان اللہ کو فتح کے لئے یہ آسان نظر آیا کہ دو تین احمدیوں کو سنگسار کرائے چنانچہ نعمت اللہ جس کی ننھی سی بنجارے کی دوکان تھی اور مولوی عبدالحلیم صاحب کو جو ایک زمیندار اور عالم شخص اور چار دیہی کا رہنے والا تھا گرفتار کر لیا۔ اور ان پر مقدمہ عدالت عدلیہ میں پیش ہوا۔ چارج یہ لگا کہ یہ حضرت مرزا صاحب کو نبی مانتے ہیں۔ ان دونوں نے بیان دیا کہ وہ حضرت مرزا صاحب کو مجدد مانتے ہیں وہ اس صدی کے مجدد تھے جیسے مجدد صاحب سرہندی جن کا خلیفہ کابل میں ہے اور جس کے معتقدین میں خاندان شاہی وغیرہ امراء اور غرباء شامل ہیں لیکن امان اللہ نے تو اپنی صفائی کرنی تھی اس لئے دونوں کو سنگسار کیا گیا یہ واقعہ سال ۱۹۲۴ء کا ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عبدالرحمان خاں کے خاندان سے بادشاہت جاتی رہی اور ہمیشہ کے لئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے انّ کیدی متین اور فارسی میں ضرب المثل ہے چوبِ خدا صدا ندارد (ترجمہ:۔ خدا کی لاٹھی کی آواز نہیں ہوتی) عربی میں قول ہے عصا لعصی۔ عاصی کا علاج عصا ہے۔ عبدالرحمان خاں کے عہد میں مولوی عبدالرحمان صاحب شاگرد رشید حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب کو جو نقشبندی سلسلہ کے بزرگ اور خلیفہ تھے سنگسار کرایا اس لئے کہ انہوں نے حضرت مرزا صاحب کو مجدد قبول کیا۔ خود حبیب اللہ خاں لغمان میں اپنے شکار کیمپ میں قتل کیا گیا اور اس کے بیٹے امان اللہ خاں

نے کابل میں تھا بادشاہی کا اعلان کیا۔ اس نے اپنے چچا نصراللہ خاں کو جس کا صاحبزادہ عبداللطیف صاحب کے قتل میں بڑا ہاتھ تھا چاہ سیاہ (گہرے کنوئیں) میں قید کیا جہاں وہ باہر نہ نکلا۔ کابل میں قتل حبیب اللہ کے متعلق دو روایتیں مشہور تھیں ایک یہ کہ امان اللہ خان نے خود مروایا ہے دوئم یہ کہ نادر خاں سپہ سالار نے مروایا ہے اور اصل قاتل جنرل شاہ ولی تھے بہرحال جو کچھ بھی ہو امان اللہ خان کو نادر خاں پر اعتماد نہیں رہا تھا اور اس کو سپہ سالاری سے ہٹا کر فرانس میں سفیر مقرر کیا۔

منگل کی بغاوت کے بعد اور نادر خان کے ملک بدر (دیس نکالا) کے بعد کوہستان کابل میں آگ سلگنی شروع ہو گئی۔ اور اس کا آخری نتیجہ یہ ہوا کہ کوہستانیوں نے کابل پر حملہ بول دیا۔ امیر صاحب کی فوج نے شکست کھائی اور وہ قندھار کی طرف کچھ فوجی اسکارٹ اور اپنے کار آمد اور قیمتی جواہرات وغیرہ لیکر روانہ ہوا اس خیال سے کہ قندھار سے کمک لیکر کابل پر چڑھ آئے گا لیکن غزنی کے پاس پٹرول ختم ہو گیا جس پر امان اللہ خاں نے اپنی کار میں جتنا تیل آتا تھا ڈال کر سیدھا قندھار ہوتا ہوا چمن آپہنچا۔ اور اس طرح ایک قزاق کے ہاتھوں شکست کھا کر ذلت سے اور حسرت سے بھاگ کر جان بچائی۔ اور اس طرح خاندان عبدالرحمان کا چراغ گل ہو گیا اور اس خاندان سے بادشاہی ہمیشہ کے لئے چھن گئی امان اللہ خاں اگر مارا جاتا تو اس کے دنیا میں عذاب کا خاتمہ ہو جاتا لیکن وہ جب تک زندہ ہے وہ زندہ در عذاب ہے۔ وہ خاندان جس کو اس نے ملک بدر کیا تھا آج

کابل کے تخت شاہی پر حکمران ہے اور وہ خود ملک بدر ہے - اور یہ
یہ قلبی اور ذہنی عذاب میں وہ موت تک گرفتار رہے گا - نار اللّٰہ
الّتی تطلع علی الافئدۃ - ابھی چند ماہ ہوئے اغلباً مارچ
۱۹۵۹ء کا واقعہ ہے کہ خدا کی شان ۱۹۵۹ء میں امان اللہ خان کو
برلن مسجد آنا پڑا یہ نماز کے لئے نہیں بلکہ اس تقریب پر کہ اسکی اپنی بھتیجی
(سردار عنایت اللہ خان کی لڑکی کی) کے جنازہ میں شامل ہونا تھا - وہ اور
ان کے عزیز اور اقربا مسجد برلن حاضر ہوئے - عبد العزیز خان
زیدہ نے جو ان دنوں مسجد برلن کے ناظم اعلیٰ تھے ان کی افغانی
طرز پر خاطر تواضع کی ان کو جنازہ کے لئے احمدی امام (جو
ان کے زعم میں کافر تھا) کے پاس آنا پڑا - یہ تقریبات ایک خطا کار کے لئے
انتباہ کا مرتبہ رکھتے ہیں - اگر در خانہ کس است حرفے بس است ایک طرف
تو چند غریب احمدی بھیڑوں کو ذبح کرتا تھا اور اس کے مقابل دوسرا
کافروں سے سلوک امیر صاحب کا دیکھیں - وہ اہم واقعہ امان اللہ خان
کے وقت کا یہ تھا کہ ایک اطالوی نے درہ خورد کابل میں ایک افغان کو
پستول سے مار کر ہلاک کر دیا - اغلباً وہ ڈر گیا ہو گا کہ ایک مسلح افغان
اکیلا گذر رہا ہے ممکن ہے اس کو (اطالوی) کو قتل کر دے - اس جرم
میں اطالوی گرفتار ہوا اور عدالت سے موت کا حکم جاری ہوا - اس پر
یورپین سفارتوں نے احتجاج کیا اور سفارت برطانیہ نے تو اسباب
تک باندھ لیا کہ کسی فرد سفارت کو بطور وکیل چھوڑ کر چلے جائیں گے

اور اس طرح سامان کے صندوقوں میں بند کرنے اور جانے کی تیاری کی رپورٹیں وزارت خارجہ اور امیر امان اللہ خاں کو پہنچتی رہیں۔ سفارتیں یہ اثر پیدا کرنے چاہتے تھے کہ وہ صرف دھمکی نہیں دے رہے بلکہ واقعی جانے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ آخر میں ہوا یہ کہ امیر امان اللہ خاں نے حکم دیا کہ مقتول کے وارثوں کو عوضانہ دلایا جاوے اور اطالوی کو چھوڑ دیا جاوے اس طرح یورپین سفرا نے اپنے اپنے تبعیت یعنی ملکی باشندوں کے لیے زنا اور قتل کے مقدمات میں قانون شرعی کی سزا سے بچنے کا راستہ بنا لیا۔ اور یہی ان کا مقصد تھا کہ قانون کی نگاہ میں ان کا مقام افغانی شہریوں سے ممتاز اور قانون کی آخری سزا سے مستثنیٰ ہو جاوے جو اس مثالی مقدمہ میں ان کو حاصل ہو گیا۔

۱۹۲۴ء میں میں کابل سے واپس اپنے دفتر پولیٹیکل خیبر آیا۔ اور چند ماہ کے بعد نئے پولٹیکل ایجنٹ آ گئے اور وہ چھ ماہ تک کوشش کرتے رہے کہ ان کا معتمد اسسٹنٹ وزیرستان سے تبدیل ہو کر آوے لیکن اتفاقاً پولیٹیکل ایجنٹ صاحب ٹوچی جو عارضی طور پر ڈپٹی کمشنر بنوں کا بھی کام کر رہے تھے فوت ہو گئے اور اب ٹوچی کے اسسٹنٹ صاحب کا آنا محال ہو گیا کیونکہ حسب "قاعدہ تجربہ کوئی اسسٹنٹ کم از کم چھ ماہ تک تبدیل نہیں ہو سکتا جب تک پولیٹیکل اس ضلع کے کوائف وغیرہ سے بخوبی واقف نہ ہو جاوے اس لئے پولیٹیکل ایجنٹ خیبر کو اپنے موجودہ اسسٹنٹ سے جن کی تبدیلی کے لئے وہ کوشاں تھے

ہاتھ ملنا پڑا۔ ایک دن اسسٹنٹ صاحب نے دیجو وفات پا چکے ہیں خدا ان کو غریق رحمت کرے) اور اپنے عزیز شخص تھے مجھے کہا کہ آپکی تنخواہ کابل میں زیادہ تھی اور یہاں کم ہے اس لئے آپ سفر خرچ بنا لیا کریں۔ میں نے کہا کہ اس ایجنسی کی شاہراہ جس پہ آیا جایا جاتا ہے کل ۵۳ میل ہے۔ اور پھر جب تک کوئی خاص پڑتال وغیرہ کا کام نہ ہو میں کیسے آجا سکتا ہوں کچھ خاص کام میرے سپرد کیا جاوے تو میں جا سکتا۔ انہوں نے فرمایا کہ صاحب بہادر فرماتے ہیں کہ آپ ۵۰ ۶۰ ماہوار کابل بنا لیا کریں، میں نے کہا کہ یہ ناجائز کام نہیں کرتا ہوں اور نہ اپنے لئے افسروں کا ناجائز طور پہ مہربانی کرنا پسند کرتا ہوں ہاں میرے لئے ۔/۵ روپے الاؤنس کی سفارش ہو جاوے تو وہ ٹھیک اور احسن طریقہ ہے وہ فرمانے لگے کہ آپ کی جگہ جو آئے گا وہ یہ الاونس لے گا میں نے کہا نہیں پرسنل الاونس دوسرا شخص نہیں لے سکتا ہے انہوں نے فرمایا اس میں وقت لگے گا میں نے کہا کہ انتظار تو مجھے کرنا پڑے گا۔ واللہ اعلم دہلی کی مرکزی حکومت منظور بھی کرے کہ نہیں۔ اس پہ یہ مذاکرہ ختم ہوا لیکن اب یہ دونوں افسر کوشاں ہے کہ کوئی گرفت کی جگہ ملے۔ اگرچہ مجھے علم نہ تھا لیکن علیم اور خبیر کو تو علم تھا ...... کچھ عرصہ بعد پولیٹیکل ایجنٹ صاحب نے ایک کلرک کی جو اونچے درجہ (گریڈ) میں تھا دوسری جگہ تبدیل کیا جسکی منصب کی تنخواہ کم تھی میں نے اس کو کہا کہ ایک دو دن ٹھیر جا۔ اور اتنا وقت تو تیرے چارج دینے میں

بھی لگے کیونکہ وہ ریکارڈ آفس کا انچارج تھا۔ بس اب کیا تھا۔ پولیٹیکل
ایجنٹ صاحب سے فوراً شکایت کی گئی کہ سپرنٹنڈنٹ آپ کے حکم کی تعمیل
نہیں کرتا۔ پولیٹیکل ایجنٹ نے مجھے بلایا۔ میں نے بیان کیا بات یہ
نہیں ہماری ڈیوٹی ہے کہ قواعد کے خلاف اگر آپ کوئی حکم یا کام کریں
تو آپ کے علم میں لے آویں تاکہ کل آپ پر الزام نہ آوے۔ اس نے
کہا میں نے کیا غلطی کی ہے۔ میں نے کہا کہ میں تو انتظار میں تھا کہ جب
کوئی ضروری کاغذات لانے کے لئے موقع نکلے اس بارہ میں مذاکرہ
کروں۔ غلطی یہ ہے کہ آپ نے اُوپر کے درجہ کے کلرک کو ادنیٰ درجہ
پر تبدیل فرمایا اور اس حکم میں نقص ہے۔ تنخواہ وہ کس گریڈ پر لے گا یہ
امر آپ کے حکم میں واضح نہیں کیونکہ آپ کی تبدیلی پر آپ کے حکم کی
نقل اس کو دی جائے گی اور وہ آپ کے حکم کے خلاف اپیل کرے گا
اور آپ نے اس اقدام کے دلائل بھی اپنے حکم میں نہیں دیئے جو اپیل
کے پہنچنے پر کمشنر صاحب آپ سے مانگیں گے اس نے کہا اس کا حل،
میں نے کہا آپ حکم میں اتنا ایزادی کر دیں کہ وہ اپنی گریڈ کی تنخواہ لے گا۔
اور وہ ادنےٰ گریڈ کی تنخواہ نہیں لے گا۔ چنانچہ یہ اس نے کر دیا۔ چنانچہ
وہ شخص چلا گیا اور پھر اپیل دائر کر دی اور ادھر اب میری تبدیلی کا منصوبہ تیار
ہوا کیونکہ میرا تبادلہ وہ تو نہیں کر سکتے تھے گورنر صاحب کے اختیار
میں تھا۔ اس بحث و پرکھ کے دوران میں خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل اور
رحمت سے مجھے بذریعہ ایک رویا اثبات قلب بخشا۔

رؤیاء

میں نے دیکھا کہ ایک سمندر میں طوفانی حالت ہے اور وہ امنڈتا چلا آرہا ہے اور میں ایک ٹیلہ پر جو سمندر کے کنارہ پر ہے اور بڑا اونچا بھی نہیں اس ٹیلہ پر میں ایک پتھر پر جو تقریباً ایک فٹ ہوگا کھڑا ہوں طوفان کی لہریں زور وشور سے ٹیلے کی طرف آرہی ہیں لیکن اس ٹیلہ کے قریب پہنچکر ایسا ساکن ہو جاتی ہیں کہ موجب حیرت ہے۔ گویا وہ ٹیلے سے ٹکر لیتے نہیں بلکہ ٹیلے کے پاؤں پڑتے یا پاؤں دھوتے آتے ہیں۔

قصہ مختصر پولٹیکل ایجنٹ صاحب نے اپنے ہفتہ وار بیٹھی میں میری شکایت کی لیکن انہوں نے فرمایا کہ مجھے اس کا اعمالنامہ دکھاؤ۔ دوسرے ہفتہ جب وہ لے گیا تو چیف کمشنر صاحب نے فرمایا کہ آپ سے قبل دس گیارہ انگریز افسران نے اس کے حسن کارکردگی۔ دیانت وغیرہ اوصاف کے متعلق تعریفی ریمارکس دیئے ہیں۔ وہ مانوں یا آپ کی زبانی رپورٹ۔ چنانچہ صاحب اپنے مشن میں ناکام آگئے۔ البتہ گورنر صاحب نے وہاں سے میرا تبادلہ وزیرستان کر دیا جب میرے والد بزرگوار کو معلوم ہوا تو وہ گورنر صاحب سے ملنے گئے تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے علم نہ تھا کہ وہ آپ کا فرزند ہے اور اب میں خوش ہوں کہ اس کا تبادلہ جو میں نے کیا اچھا ہوا اور فرمایا کہ میں نے تبادلہ اس خیال سے نہیں کیا کہ وہ قصوروار ہے بلکہ اس لئے کہ پولیٹیکل ایجنٹ اور ان کا اسسٹنٹ جب اس کے برخلاف ہو گئے ہیں اور میرا فیصلہ بھی ان کی توقعات کے خلاف ہے"

اگر اس جگہ رہا تو کسی نہ کسی عذر سے اسکو نقصان پہنچانے کیلئے جھوٹا مقدمہ بنادیں گے۔ چونکہ میں ابھی پولیٹیکل ایجنسیوں میں رہا ہوں مجھے علم ہے اور پولیٹیکل ایجنٹ کو اس کے اسسٹنٹ دہوکا دیا کرتے ہیں اور ان دیسی افسروں میں نقص ہے کہ وہ جس کے مخالف ہوں انکی مخالفت کو ذاتی معاملہ بناکر ہر طرح سے اس ماتحت یا مخالف کو تکلیف اور بے جا تکلیف پہنچاتے ہیں۔

اتفاقاً چند دنوں تک پولیٹیکل ایجنٹ کا تبادلہ بطور کمشنر مال ہوگیا اور اس کلرک کی اپیل ان کے حکم کے خلاف ان ہی کے پاس گئی جب مسل وہاں کے دفتر والوں کے نوٹ اور رپورٹ کے ساتھ پیش ہوئی جس میں انہوں نے رپورٹ کی کہ پولیٹیکل ایجنٹ (ان کا حکم) غلط ہے اور اس کلرک کو واپس اس کی جگہ پر تعیناتی کی جائے تو اس پر ٹلملا گئے دس پندرہ دن بعد پھر مسل پیش ہوئی وہ پھر تلملائے تیسری دفعہ جب مسل پیش ہوئی تو ان کو کہا گیا کہ اگر آپ فیصلہ نہیں کریں گے تو وہ کلرک براہِ راست گورنر صاحب کو اپیل کرے گا۔ اس پر انہوں نے اس کلرک کو اپنی جگہ تعیناتی کا حکم صادر کیا اور اپنا حکم جو بطور پولیٹیکل ایجنٹ کیا تھا منسوخ کردیا۔ اس دوسرے واقعہ کے بعد میرا عوضی آگیا اور میں فارغ ہوکر وزیرستان گیا۔ یہ سب کچھ اللہ کے فضل اور رحمت سے ہوا۔ بیدہٖ ملکوت کل شیٔ وھو علیٰ کل شیٔ قدیر۔ پولیٹیکل ایجنٹ صاحب تو پنشن پر گئے اور اسسٹنٹ ایک ایسی ایجنسی میں تبدیل ہو

گئے جہاں ان کی دلی مراد تھی اور جہاں انکو امید تھی جو ایسے ہر دلعزیز ہوں گے کہ بطور ایک بزرگ پیر کے ان کی عزت ہوگی لیکن انجام یہ ہوا کہ بدنام ہو کر قبل از وقت پنشن پر بھیجے گئے۔

دوران قیام وزیرستان میں افضال الٰہی

ٹوچی وزیرستان میں تعلیم کا کوئی بندوبست نہ تھا ایک ورنیکولر لوئر مڈل سکول تھا یعنی چھ جماعتوں کا سکول جس میں نہ انگریزی اور نہ عربی کی تعلیم تھی۔ میرے لڑکوں نے دوسرے سال مڈل انگریزی کا امتحان دینا تھا میں نے پولیٹیکل ایجنٹ کو کہا کہ جبکہ یہاں سکول کا یہ حال ہے سرکاری ملازمین کی بدلی ایسے علاقہ میں نہیں چاہیئے یا ایسے ملازمین کے بچوں کو خاص وظائف دیئے جاویں کہ کسی تعلیمی ادارہ کے بورڈنگ میں رہ کر تعلیم حاصل کریں یا یہاں کے سکول کو تدریجاً مڈل اور انٹرنس تک پہنچانا چاہیئے۔ انہوں نے مجھ سے اتفاق کیا چنانچہ میں نے رپورٹ تیار کی اور جس کی منظوری جلدی آگئی۔

(۱) میرے بچوں کو خاص طور پر انگریزی میں امتحان دینے کی اجازت رئیس معارف یعنی ڈائرکٹر تعلیم نے دیدی۔ اور ساتھ ہی ایک انگریزی معلم کے فوری استخدام کے لیئے بھی منظوری دیدی جس سے کہ میرے بچوں کی تعلیم میں نہ کمی واقع ہوئی اور نہ کوئی روک۔

(۲) سکول کا درجہ بڑھا کر انگریزی مڈل سکول کر دیا گیا۔

(۳) عربی کی کمی کو اس طرح پورا کیا گیا کہ میں نے پولیٹیکل ایجنٹ کو کہا کہ قبائلی "ملاسکول سے مقاطعہ کی تلقین کرتے ہیں اور جس مقصد کے لئے یہ مدارس جاری کئے گئے ہیں پورا نہیں ہوتا اس لیئے بہتر ہوگا کہ قرآن شریف کی

تعلیم شروع کی جائے - سرکار اگر عربی کی تعلیم کی منظوری دیدیں تو بی ٹی بی
کا استاد اونچی جماعتوں کو قرآن شریف اور اعلیٰ جماعتوں کو عربی
کی تعلیم دے سکے گا چنانچہ یہ تجویز بھی صوبائی حکومت کی منظوری کے لئے
بھیجی گئی جو منظور ہو گئی اور ایک عربی معلم کی فوراً تعیناتی ہو گئی اور خوش قسمتی
سے ایک مولوی فاضل مل گیا جس کو مقرر کیا گیا اور اس طرح عربی کی کمی بھی پوری
ہو گئی - اور میری تبدیلی سے قبل یہ مڈل سکول کو بڑھا کر ہائی سکول کر دیا گیا
اور ۱۹۲۸ء میں نئی عمارت کے لئے صوبائی حکومت کی منظوری بھی آ گئی
لیکن تعمیر کے لئے روپیہ ۱۹۳۸ء میں ملا - اور ۱۹۳۸ء میں میری
تبدیلی ہو گئی -

۲ - عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد -

(۱) وزیرستان تبدیلی پر مقامی الاونس ملا کر مجھے تنخواہ میں -/۹۰ روپیہ ماہوار
اضافہ ہو گیا -

(۲) ایک مکان رہائشی ملا جس کا کرایہ معاف تھا -

(۳) ایک ملحقہ مکان نشست برخواست اور مہمانوں کے ٹھہرنے اور بچوں
کے اپنے استاد سے تعلیم وغیرہ ضروریات کے لئے مل گیا - اس کا
کرایہ بھی نہ تھا -

(۴) - اس کے علاوہ دیگر سہولتیں بھی تھیں - اور بڑے شہروں کی گنجان آبادی
سے دوری اس کے اخراجات اور گرانی سے بچت - کھلی فضا اور
آب و ہوا اور سادہ زندگی - جو سب سے زیادہ بچوں اور ان کی

صحت کے لئے فائدہ مند تھا۔ مہتروں کو کوئی تنخواہ نہیں دینی پڑتی نہ صرف مجھے بلکہ سارے سرکاری ملازمین کو۔ بجز ملازم کی ضرورت نہ تھی سوائے باورچی کے وہ بھی عندالضرورت۔

۴۲۔ یہ انفعال کا پہلو اب رحمت الٰہی کے پہلو کا ذکر کرتا ہوں:۔
ایک نائب تحصیلدار صاحب جو جب ٹوچی آئے تھے تو سردیوں میں خاکی یونیفارم کی برجس ڈٹے رہتے تھے لیکن جب رزمک کے تحصیلدار ہوئے اور بالا مال ہو گئے اور ایک پولیٹیکل ایجنٹ صاحب سے منظور نظر تھے اور چونکہ ان کو بارک ماسٹری اور سپلائی کے ٹھیکوں میں رائے دینے کے مجاز تھے اس لئے ان کی بالائی آمدنی بہت تھی اور انکو اندیشہ لگا رہتا تھا کہ میں کہیں ان کو نقصان نہ پہنچاؤں، کہتے ہیں وہم کا علاج حکیم لقمان کے پاس بھی نہ تھا اور ذہنی اور قلبی کوفت کی وجہ سے جو وہ محسوس کرتے تھے میرے مخالف ہو گئے۔ خدا کے فضل سے اور تو ان کا مجھ پر حملہ کرنے کا کوئی راستہ نہیں ملتا تھا۔ انہوں نے مذہبی رنگ میں ایجی ٹیشن فتنہ برپا کرنے کا پروگرام بنایا۔ اور دریائے ٹوچی کے کنارے آباد قوم داوڑ کے ملاؤں کو بذریعہ آپ کے ممنون احسان اور انکے خوشنودی کے حصول کے مشتاق ٹھیکیداروں نے اکسایا اور انہوں نے ایک جمعرات ایک گاؤں میں اور دوسری جمعرات دوسرے گاؤں میں جمع ہوتے وعظ کرتے اور میرے خلاف تقریریں کرتے اور مفت دعوتیں کھاتے۔ جب کافی مدت یہ کھیل کھیلتے تھک گئے تو تحصیلدار

کی تحریک پر ملاؤں کا ایک وفد پولیٹیکل ایجنٹ صاحب سے ملا اور مطالبہ
کیا کہ مجھے ٹوچی سے تبدیل کیا جاوے۔ پولیٹیکل ایجنٹ صاحب نے
جواب دیا کہ اس کا تبادلہ میرے اختیار میں نہیں، وزیرستان کے
ریزیڈنٹ صاحب کے اختیار میں ہے (ریزیڈنٹ صاحب وزیرستان
عہدہ میں صوبہ میں گورنر صاحب کے دوسرے درجہ پر تھے) چنانچہ
ملاؤں کا جرگہ ریزیڈنٹ صاحب کے پاس گیا اور میرے تبادلہ کا
مطالبہ کیا۔ ان دنوں ریزیڈنٹ سر پارسن صاحب تھے۔ ملاؤں سے
پوچھا آخر وجہ کیا ہے جس کی بناء پر تم اس کا تبادلہ چاہتے ہو۔ انہوں نے
کہا کہ قادیانی کافر ہے اور ہمارے بچوں کو بد راہ کر رہا ہے انہوں
نے کہا وہ تو مدرسہ کا معلم نہیں تو پھر کس طرح کرتا ہے وفد نے کہا مدرسہ
کی تنظیم اس کے ماتحت ہے۔ ریزیڈنٹ صاحب نے پوچھا کون
کون قادیانی ہوا ہے میرے پاس لاؤ۔ پھر انہوں نے کہا ابھی
کوئی ہوا نہیں لیکن عام لوگوں میں پراپیگنڈا کرتا ہے۔ ریزیڈنٹ صاحب
نے کہا کہ وہ صبح سے عصر تک دفتر میں ہوتا ہے اور بعد اپنے گھر
پولیٹیکل سرائے کے سول کوارٹر میں۔ تم کو کس وقت پراپیگنڈا کرتا ہے
کیا وہ کبھی تمہارے گاؤں آیا اور پراپیگنڈا کیا انہوں نے جواب میں کہا کہ
وہ کبھی نہیں آیا۔ ریزیڈنٹ صاحب نے پوچھا کیا تم اس کے پاس
جاتے ہو تو انہوں نے جواب دیا کہ جب سے وہ آیا ہے اس نے
ہمارے لوگوں کا دفتر میں آنا جانا بند کر دیا ہے نہ اپنے پاس اندر کسی

کلرک کے پاس آنے جانے نہیں دیتا ہے۔ اس سے پہلے ہم دفتر آتے جاتے تھے۔ ریذیڈنٹ صاحب نے کہا کہ کیا وہ رات کو تم کو تبلیغ کرتا ہے۔ انہوں نے کہا نہیں۔ ریذیڈنٹ صاحب نے کہا کیا خواب میں تم کو تبلیغ کرتا ہے اور تم اس کی تبلیغ سے خواب میں بھی ڈرتے ہو۔ اور آخر میں ریذیڈنٹ صاحب نے کہا کہ اس کا تبادلہ میں شمالی وزیرستان سے جنوبی وزیرستان میں کر سکتا ہوں لیکن پھر بھی وزیرستان ہی رہے گا اور اس کے یہاں سے تبادلہ کا اختیار گورنر صاحب کو ہے۔ چنانچہ ملاؤں کا وفد گورنر صاحب کی خدمت میں پشاور پہنچا۔ گورنر صاحب نے ساری شکایات سنکر فرمایا کہ مجھے کوئی بھی معقول وجہ معلوم نہیں ہوتی ہے۔ کبھی سنی کبھی شیعہ کبھی قادیانی کبھی ہندو کبھی سکھ کبھی عیسائی افسر آئے گا اس لئے بلا معقول وجہ شکایت ان لوگوں کا تبادلہ ہمارے اصول حکومت کے خلاف ہے یہ کہ ریذیڈنٹ صاحب وزیرستان کے امن و امان کے ذمہ دار ہیں اور بغیر ان کے سفارش کے میں تبادلہ نہیں کر سکتا اگر وہ مجھے لکھیں کہ اس افسر کا تبادلہ حکومت کے مفاد کے لئے یا امن و امان کے لئے ضروری ہے تو میں غور کروں گا۔ یہ وفد دوبارہ ریذیڈنٹ صاحب سے ملے ریذیڈنٹ صاحب نے جواب دیا کہ کوئی معقول وجہ نہیں کہ میں ایسی سفارش کروں جبکہ وہ تمہارے ہاں نہیں جاتا تم اس کے پاس نہیں جا سکتے۔ دفتر میں تمکو نہیں چھوڑتا گھر پر تم سے نہیں ملتا اس لئے تم کو دھوکا لگا ہے یا تم کو کسی نے دھوکا

دیا ہے۔ تم جاؤ اور مطمئن رہو وہ تمہارے ہاں جاکر تبلیغ نہیں کرے گا اور تم اس کے پاس نہ جاؤ۔

اس ناکامیابی کے بعد تحصیلدار صاحب کو دوسری چال سوجھی۔ اتفاقاً پرانے اسسٹنٹ پولٹیکل صاحب بدل گئے اور ان کی جگہ دوسرے اسسٹنٹ جو آئے وہ تحصیلدار صاحب کے وطنی اور ایک شہر کے رہنے والے اور ریزیڈنٹ صاحب کے بھی بڑے معتمد تھے چنانچہ تحصیلدار صاحب نے انکو کہا کہ قبائل کے ملا پراپیگنڈا کرتے رہتے ہیں اور عبداللہ جان کے قتل ہونے کا اندیشہ ہے اس لئے مناسب ہے کہ ان کو یہاں سے تبدیل کیا جائے آپ نے ریزیڈنٹ صاحب سے ذکر کیا ریزیڈنٹ نے ان سے پوچھا کہ آپ کو خطرہ ہے یا عبداللہ جان کو اور کیا عبداللہ جان نے کوئی خواہش ظاہر کی ہے یا کوئی شکایت کی ہے یا وہ خوف محسوس کرتا ہے۔ انہوں نے سب باتوں کا نفی میں جواب دیا تو ریزیڈنٹ صاحب نے کہا کہ پھر آپ کو کیوں خدشہ پیدا ہوگیا۔ یہ اسسٹنٹ صاحب ریزیڈنٹ صاحب کے بڑے معتمد تھے اور انہوں نے ان کو شمالی وزیرستان بلایا تھا۔ ان اسسٹنٹ صاحب نے بعدہٗ خود ذکر کیا کہ ساری عمر میں ریزیڈنٹ صاحب نے انکی کسی بات کو رد نہیں کیا سوائے دو باتوں کے جن میں سے ایک عبداللہ جان کے تبادلے کے متعلق تھا۔ اور ریزیڈنٹ صاحب سے اپنے سارے مذاکرہ کا ذکر کیا۔ یہ خدا کا فضل تھا کہ اس نے اس سارے

عرصہ میں مجھے اس قدر اثبات قلب عطا فرمایا تھا کہ مجھے کبھی وہم و گمان بھی دل میں نہیں گذرا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ نہ میں نے کبھی کسی کی شکایت کی اور نہ کبھی خوف و ہراس میرے نزدیک ہی پھٹکا۔ تحصیلدار صاحب نے تیسری راہ اختیار کیا۔ ٹوچی میں ایک فوجی نمائندہ۔ فوجی جمعدار یا صوبیدار فوجی نقطہ نگاہ سے فوجی جرنیل علاقہ کو باخبر رکھتا ہے۔ اسکو کہا کہ وہ اپنی ہفتہ وار ڈائری میں رپورٹ کریں کہ میری تبدیلی ہو جاوے کیونکہ یہاں شورش ہے۔ چنانچہ انہوں نے رپورٹ کر دی اور جب جرنیل صاحب کی ہفتہ وار ڈائری چونکہ ہی نقید ہوتی ہے اور پولٹیکل ایجنٹ کے سوا کسی کے علم میں نہیں لایا جاتا۔ مجھے ایک دفعہ اپنے کمرہ میں بلا کر بنوں کے جرنیل صاحب کی رپورٹ دے کر کہا کہ فلاں فقرہ ذرا پڑھو وہ میرے خلاف قبائلی ملاؤں کی شورش کے متعلق تھا۔ میں نے پڑھا تو مسکرا کر کہا کہ یہی میں نے بتانے کو بلایا تھا۔ اب ایک اور چال چلی گئی کہ چند وزیر ٹھیکیداروں کو بنوں کے ملاؤں کے پاس بھیجا اور کچھ انکے نذر کیا کہ ایک دو ہفتہ جلسہ کریں کہ اس کو ٹوچی سے بدل دیا جاوے۔ اور بنوں میں جو انٹیلیجنس افسر تھا اسکو کہا کہ وہ اپنی ہفتہ وار رپورٹ کریں جو ٹوچی کے انٹیلیجنس افسر کی طرح خبریں دفتر بھیجتا ہے ان جلسوں کا ذکر کرے۔ چنانچہ اس نے بھی کیا اور جب جرنیل صاحب کی ہفتہ وار رپورٹ آئی تو پولٹیکل ایجنٹ صاحب نے مجھے پھر بلا کر کہا کہ فلاں فقرہ پڑھو وہ میرے اور ملاؤں کے جلسوں اور مطالبہ کے متعلق تھا اور پھر مسکرا کر

کہا بس یہی آپ کو بتانا تھا۔ جس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ فکر کی بات نہیں وہ حقیقت حال سے باخبر ہیں اور ایسی رپورٹوں کی حقیقت ان پر منکشف ہے۔

یہ اس خدائی ذوالفضل العظیم کا فضل عظیم اس ناچیز بندہ پر تھا کہ بغیر میری درخواست اور بغیر میرے علم کے گورنمنٹ کی ساری مشینری کو۔ پولیٹیکل ایجنٹ سے لیکر گورنر صاحب تک کو میری تائید میں کھڑا کیا۔ اور جن دنوں اور ایام میں یہ وفود پولیٹیکل ایجنٹ صاحب۔ ریزیڈنٹ صاحب اور گورنر صاحب سے ملے اور بے نیل و مرام واپس ہوئے مجھے کوئی علم ان واقعات کا قطعًا نہ تھا بلکہ ان سب کی کامل ناکامیوں کے بعد جب ان کے انکشاف میں راز اور مصلحت نہ رہا تو مجھے علم ہوا۔ سال بھر یہ کھیل ہوتے رہے اور میں ایسا بے خبر رہا جیسے فضربنا علی اذانھم فی الکھف سنین عددا۔ یہاں بھی مجھے سال بعد ان واقعات کا علم ہوا جبکہ قبائلیوں کے پسارے ہو گئے اپنی مساعی میں ناکام ہوئے اور گورنمنٹ کے افسران اعلیٰ کے ہاں انکی شنوائی نہ ہوئی

ایک اور عجیب واقعہ بیان کرتا ہوں:-

ایک مجلس مشاورت میں جو میران شاہ کے پولیٹیکل سرائے کی مسجد کے نظم و نسق کے متعلق ہو رہا تھا جس کا میں سیکرٹری اور اسسٹنٹ صاحب پریذیڈنٹ تھے۔ بحث مباحثہ ہو رہا تھا ایک محرر نے جو وہاں اسسٹنٹ صاحب ایک شہر کے رہنے والے تھے۔ شوخی تنائی اور حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق ذرا گستاخی کی میں نے بھری

مجلس میں اسکو کہا کہ میاں نہ ماننے سے ضروری نہیں کہ سزا ملے لیکن شوخی اور گستاخی سے سزا ضروری ہے۔ اگر آپ کو حضرت مرزا صاحب کے متعلق شرح صدر نہیں تو نہ سہی لیکن اتنا ضرور خیال کریں کہ گستاخی سے آپ موردِ سزا نہ ہو جاویں۔ وہ کہنے لگا کہ دیکھا جاوے گا۔ کچھ عرصہ گذر گیا۔ اور جس اسسٹنٹ صاحب پر انکو ناز تھا وہ چھ ماہ کے اندر اندر وہاں سے تبدیل ہو گئے حالانکہ معمول یہ ہوتا ہے کہ ایک افسر تین سال تک ایک ضلع میں رہتا ہے۔ اور ان تحصیلدار صاحب نے جو میرے خلاف سارے پراپیگنڈا کے محرک اور ممدّ تھے خواہش کی کہ اس محرر کو اس کی تحصیل میں لگایا جاوے۔ اس خیال سے کہ وہ میرے خلاف انکی امداد کرے گا اور اس کی ہدایت کے مطابق چلے گا اور اس کی تحصیل کے حال سے مجھے خبردار نہیں کرے گا۔ پولیٹیکل ایجنٹ صاحب نے مجھ سے ذکر کیا تو میں نے کہا کوئی ہرج نہیں ہم اسکو وہاں بھیج دیں گے چنانچہ اس محرر کو اس تحصیلدار صاحب کے پاس دزنک تحصیل بھیجدیا گیا لیکن کچھ عرصہ بعد ان تحصیلدار صاحب نے اسی محرر کے خلاف ایک خفیہ رپورٹ کی جس کے نتیجہ کے طور پر اس کی بدلی شمالی وزیرستان کے کسی دوسری تحصیل میں ہو سکتی تھی یا اس سے بڑھکر یہ سزا ہو سکتی تھی کہ وزیرستان کے دوسرے ضلع جنوبی وزیرستان کو یا کسی اور ضلع کو تبدیلی ہو جاتی۔ پولیٹیکل ایجنٹ صاحب نے مجھ سے مشورہ کیا تو میں نے یہی رائے دی لیکن انہوں نے کہا نہیں یہ سروس میں رکھنے کے لائق نہیں۔ چنانچہ انہوں نے اسکو معطل کر کے

باقاعدہ تحقیقات اور شہادتیں قلمبند کرنی شروع کر دیں اور مجھے کہا کہ ان کو معلوم ہوا ہے کہ اس کا سابقہ ریکارڈ بھی بہت خراب ہے اور چند دفعہ پہلے بھی اس کی اس ضلع سے تبدیلی کی کوشش کی گئی تھی۔ اس لئے آپ سعی کریں کہ انگریزی اور اردو ریکارڈ میں کوئی ایسے کاغذات نکل سکیں تو ان کو یکجا کیا جاوے چنانچہ پرانے اہلکاروں کی مدد سے ریکارڈ کی تلاش سے ایسی رپورٹیں اور کاغذات نکل آئے اور ان کی بناء پر میری شہادت بھی قلمبند کی گئی اور یہ کاغذات لبطور سند اس محرر کی مسل مقدمہ کے ساتھ منسلک کر دیئے گئے چنانچہ تحصیلدار صاحب عملہ تحصیل اور قبائلی گواہوں کی شہادتیں قلمبند کر کے جب مسل مقدمہ مکمل ہو گئی تو پولیٹیکل ایجنٹ صاحب نے مجھے دیا اور کہا کہ وہ ۴ ماہ رخصت پر جانے والے ہیں یہ مسل نئے پولیٹیکل ایجنٹ صاحب کے پاس پیش ہوتے رہیں نے کہا کہ اگر انہوں نے مجھ سے سوال کیا کہ جب آپ نے مقدمہ شروع کیا اور مکمل کر لیا تو خود آخری حکم کیوں صادر نہیں کیا تو میں کیا جواب دوں گا۔ یہ خیال بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ مسل میں نے پاس رکھ لی اور میں بھی مجھ کو یہ محرر اپنا مخالف خیال کرتا ہے۔ بہتر ہوگا کہ چارج دیتے آپ ان سے ذکر کر دیں۔ چنانچہ پولیٹیکل ایجنٹ صاحب رخصت پر چلے گئے اور ان کی جگہ دوسرے فوجی افسر پولیٹیکل ایجنٹ ہو کر آئے اور چارج لیا۔ چند دنوں کے بعد جب میں نے ان کو اس محرر کی مسل آخری حکم کے لئے دی تو انہوں نے سوال کیا کہ ان سے پہلے صاحب نے جب ساری تحقیقات بھی مکمل

کرلی تھی تو آخری فیصلہ کیوں نہیں کیا میں نے کہا کہ نئے صاحب یہ سوال کریں گے اس لئے مجھے مصلحت اور وجہ معلوم نہیں البتہ میں نے ان سے عرض کی تھی کہ آپ اُن سے اس بارہ میں خود گفتگو کرلیں ورنہ یہ خیال نہ کیا جاوے کہ میں نے مسل روک رکھی جو میں ہرگز نہیں کرسکتا تھا کیونکہ کارروائی وہ خود کر گئے تھے امید ہے انہوں نے آپ سے ذکر کیا ہوگا۔ یہ نووارد پولٹیکل ایجنٹ صاحب اس علاقہ میں بطور ڈپٹی سکوٹ کئی سال رہے اور سب دیسی افسران صوبیداران جمعداران وغیرہ کے خوب واقف اور اس علاقہ اور قبائل سے بھی واقف تھے، ڈپٹی سکوٹس سے باہر پوسٹوں پر ہر ایک پوسٹ میں ایک پولٹیکل محرر بھی رہتا ہے جس کا قبائل سے کام ہوتا ہے۔ اس لئے یہ محرر ان ڈپٹی سکوٹس کے دیسی افسروں سے زیادہ بے تکلف اور دوست تھا۔ نئے پولٹیکل ایجنٹ صاحب نے تقریباً ایک ماہ بعد کہا کہ افسر اور دفتر کے سب اہل کار انکے کمرہ میں حاضر ہو جاویں۔ چنانچہ میں نے سب کو اطلاع کر دی۔ صاحب پولٹیکل ایجنٹ نے صرف اتنا کہا کہ اس کے پاس گمنام چٹھیاں شکایتوں کی آتی ہیں اور لوگ بھی آتے ہیں اس لئے میں سب افسروں اور دفتر والوں کو انتباہ کرتا ہوں کہ یہ رویہ چھوڑ دیں ورنہ اس کے ارتکاب کی سزا ملے گی۔ بس ہم سب رخصت ہو گئے۔ چند دن کے بعد پولٹیکل ایجنٹ صاحب نے مجھے کہا کہ ریذیڈنٹ صاحب آ رہے ہیں اور اس مسل کے متعلق مجھ سے کچھ پوچھیں گے چونکہ مجھ کو کامل علم نہیں اس لئے آپ (دیں)

میرے کمرہ میں ٹھیریں اور میں سامنے کے کمرہ میں ریذیڈنٹ صاحب سے اس بارہ میں تذکرہ کروں گا اگر کوئی ایسا سوال انھوں نے کیا جس کا مجھے علم نہیں تو میں آپ سے دریافت کر کے ان کو جواب دوں گا۔ چنانچہ ریذیڈنٹ صاحب آئے اور انھوں نے چند سوال کئے اور آخر میں انھوں نے دریافت کیا کہ پولٹیکل ایجنٹ صاحب کے فیصلہ کی اپیل کس کے پاس ہوگی۔ میں نے کہا کہ ریونیو کمشنر صاحب۔ ریذیڈنٹ صاحب نے کہا کہ اپیل میرے پاس ہوگی۔ میں نے کہا ریونیو سرکلرز کا واضح حکم ہے کہ اپیل ریونیو کمشنر صاحب بحیثیت گورنر صاحب کے ریونیو سیکرٹری کے اپیل کی سماعت کرتے ہیں۔ چنانچہ ریونیو سرکلر پیش کیا۔ ریذیڈنٹ صاحب نے کہا کہ نہیں۔ پولٹیکل ایجنٹ صاحب جو فیصلہ کریں اگر محرر اپیل کریں تو مثل میرے پاس بھیجدے جائے۔

چنانچہ ہوا یہ کہ پولٹیکل ایجنٹ صاحب نے اس محرر کو معزول کر دیا۔ جس پہ اس نے اپیل کی اور ریونیو کمشنر صاحب کے دفتر سے مراسلہ آیا کہ مسل برائے ملاحظہ اور حکم بھیجدیا جائے۔ اتفاقاً حالات محرر کے لئے امید افزا تھے کیونکہ ان دنوں ریونیو کمشنر صاحب کے پرسنل اسسٹنٹ وہ ڈپٹی صاحب تھے جو ای اے سی صاحب تھے جو ژوب سے چند ماہ کے اندر اندر بدل گئے تھے اور ان کے دل میں میری طرف سے غصہ اور غضب بھرا ہوا تھا۔ میں نے صاحب کو کہا کہ کیا جواب دیں مسل تو ریذیڈنٹ صاحب کے پاس بھیجدوں گا۔ چنانچہ مسل بھیجدی گئی۔ چند

دنوں کے بعد دوسرا مراسلہ ریونیو کمشنر صاحب کے دفتر سے آیا۔ میں نے اب کیا جواب دیا جاوے تو بذریعہ ٹیلیفون ریذیڈنٹ صاحب سے دریافت کیا انہوں نے کہا کہ ان کو جواب دے دو کہ مسل ریذیڈنٹ صاحب کو بھیجدی گئی ہے اس لئے ان سے براہ راست مراسلت کی جاوے۔ ہوا آخر یہ کہ ریذیڈنٹ ایام گرما وہ سقط کے آرام کرنے جب نتھیا گلی تشریف لے گئے اور گورنر صاحب سے مذاکرہ میں بتایا کہ آیا وہ بڑے افسر ہیں یا ریونیو کمشنر صاحب تو گورنر صاحب نے خود کہا تھا کہ آپ ہیں (ریذیڈنٹ صوبہ سرحد میں گورنر صاحب کے دوسرے درجہ کے افسر تھے اور ریونیو سرکلر نہ اس وقت کے طبع شدہ احکام تھے جبکہ صوبہ چیف کمشنری تھی اور ریذیڈنٹ کو پوسٹ کی کوئی منظوری نہیں تھی) تو انہوں نے مسل پیش کر کے کہا کہ میں اپیل کو رد کر کے اس شخص کو گورنمنٹ سروس سے خارج کرتا ہوں چنانچہ گورنر صاحب نے بھی اس پر تصدیقاً دستخط کر دیئے اور رحم کی اپیل کی گنجائش نہیں رہی۔

یہ ایسا وحید واقعہ ہے کہ اس سے پہلے نہ کسی ریذیڈنٹ صاحب نے سرکاری ملازمین کی اپیلیں سنیں بلکہ ہمیشہ ریونیو کمشنر سنتے تھے اور نہ کبھی بعد میں کسی ریذیڈنٹ صاحب نے کوئی ایسی اپیل میں دخل دیا۔ اور یہ خاص سزا جس کے لئے رخصت پر جانے والے پولیٹیکل ایجنٹ۔ ان کی جگہ دوسرے عارضی پولیٹیکل ایجنٹ صاحب جو چار ماہ کے لئے پہلے صاحب کی رخصت کے سلسلہ میں لگے تھے۔ ریذیڈنٹ صاحب کا خاص طور پر

اس میں دخل دیتا اور ایسا کھڑا ہو جاتا جیسا ان کا ذاتی مفاد اور کام وابستہ ہو۔ گورنر صاحب کا بھی اس پر غیر معمولی اور فوق العادت طریقہ کا دورہ اپیل پر ریذیڈنٹ صاحب کا فیصلہ پر تصدیقاً دستخط کرتا۔ ایسی کارروائی تھی جس کی نظیر نہیں ملتی۔ یہ اگر خدائی سزا نہیں تو کیا ہے۔ اس واقعہ کے متعلق میں نے ایک رؤیا کافی عرصہ قبل از واقعہ۔ اور اس محرر کے شوخی دکھانے کے بعد دیکھی تھی لیکن تعبیر سمجھ میں نہیں آتی تھی، میں نے دیکھا کہ حضرت مسیح موعود بڑی جلالی شان سے آ رہے ہیں اور ایک خاص قسم کا لباس جیسے جنگی لباس ہو زیب تن کئے ہوئے ہیں۔ ان کا لباس ان کا لباس ان کے معمول کے لباس بالکل مختلف تھا۔ کمر میں کمر بند چمڑے کا تھا ایک تلوار حمائل تھی اور ایک پیش قبض قبائلی علاقہ کے لوگوں کی طرح کمر بند پھنسا ہوا تھا میں نے دیکھا کہ ایک سیاہ زہریلا سانپ حضور کی طرف جا رہا ہے۔ حضور نے اس کے مارنے کو تلوار نہیں نکالی اور وہ چھوٹا سا پیش قبض نکالا۔ تو سانپ نے جب نزدیک پہنچا زمین سے سر نہیں اٹھایا بلکہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ سر رکھ دیا تو حضور نے پیش قبض سے اس کے سر پہ چھچی سی ڈال دی جو ایسی تھی لیکن سانپ کے چمڑہ کو بھی نہیں کاٹا۔ خون بھی نہیں نکلا اور ایسا عمل تھا جیسے کوئی کاغذ پر پنسل یا قلم سے چھچی ڈال دے اور سانپ مر گیا مجھے رؤیا کی حالت میں تعجب ہوا کہ حضور نے تلوار کیوں استعمال نہیں کی ——— لیکن اس محرر کے غیر معمولی طریقہ عزل سے جب سب کچھ ہو چکا تو مجھے تعبیر

سمجھ میں آئی کیونکہ ملازمت کے عزل کا حکم مسل پر اس پولیٹیکل ایجنٹ صاحب نے دیا جن کی مستقل پولیٹیکل ایجنٹ صاحب کی چار ماہ ایام رخصت میں تعیناتی ہوتی تھی - یہ وہ پیش قبض تھا۔ تلوار نیام ہی میں رہی۔ چنانچہ جب پولیٹیکل ایجنٹ صاحب واپس رخصت سے آئے اور ان کو سارے واقعہ کا علم ہوا تو فرمایا تو اس سے بھی زیادہ سزا کا مستحق تھا۔ یہ رویا اور یہ سارا واقع میرے ازدیاد ایمان کا باعث ہوا۔

چنانچہ پولیٹیکل ایجنٹ صاحب جو چار ماہ کے لئے آئے تھے اور ان کو میرے خلاف طوفان بے تمیزی کا علم ہو گیا تھا۔ مجھے کہا کہ اپنے اس شخص کے بارہ میں ایک لفظ بھی برا نہ کہا اور نہ کبھی اس کو سزا دینے کے متعلق رائے دی۔ بلکہ آپ کی ذاتی رائے یہی تھی اور یہی رہی کہ اس کو تبدیل کر دیا جائے۔ لیکن دوسری طرف وہ علاوہ آپ کے خلاف گمنام چٹھیوں کے لکھنے کے میرے پاس نوچی سکونٹس کے دیسی افسروں کے وفد پر وفد بھجتا رہا جو اس کے سکھائے کے بموجب آپ کے خلاف شکایت کرتے رہے۔ اس رو بہ سے مسل سے اور غیر جانبدارانہ خفیہ تحقیقات سے مجھے کامل یقین ہو گیا کہ وہ سزا کے قابل ہے۔ چنانچہ پولیٹیکل ایجنٹ صاحب نے میرے کیریکٹر رول۔ اعمالنامہ میں میرے متعلق لکھا اور تعریفی کلمات کے علاوہ یہ ریمارکس دیئے کہ HE IS TOWER OF STRENGTH

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ وہ صداقت کا ایک برج ہے۔

دوران قیام وزیرستان ایک ایسے پی اسسٹنٹ صاحب آئے جن کی عداوت کی معقول وجہ مجھے معلوم نہ ہوئی سوائے اس کے کہ میں احمدی تھا اور ان کی نظر میں یہ سب سے بڑا نقص تھا وہ فوت ہو چکے ہیں اللہ ان کو معاف کرے ان کی حالت یہ تھی کہ ان کے مکان کیساتھ ایک کمرہ تھا جو ان تحصیلداروں اور نائب تحصیلداروں اور باہر بنوں پشاور وغیرہ سے معزز مہمان ٹھہرا کرتے اور ان کی تحویل میں سرکاری بستر ے بھی تھے اور چائے وغیرہ کے سرکاری برتن۔ ان کا حال یہ تھا کہ انہوں بستر ے بند کر دیئے تھے نہ کسی کو ٹھہراتے نہ کسی کی خاطر تواضع کرتے نتیجہ یہ ہوا کہ باہر تحصیلوں کے افسر جب ہیڈ کوارٹر آتے تو ان کو یا میرے پاس ٹھہرنا پڑتا یا میران شاہ کے نائب تحصیلدار کے پاس کیونکہ دوسرے کے مکان کے ساتھ مہمانوں کے لئے بیٹھک وغیرہ کا انتظام نہ تھا ان کی سنت مستمرہ یہ تھی کہ وہ باری باری ایک ایک تحصیل میں دس دس دن گذارتے اور نائب تحصیلداروں کے مہمان ہوتے اور دو دن ہیڈ کوارٹر میں آتے تاکہ دس دن کے قیام کی تجدید کریں ان کو دس دن تک حسب قواعد سفر خرچ اور روزانہ الاونس ملتا حالانکہ خوراک تحصیلداروں کے ذمہ تھا۔ انہوں نے ایک دفعہ میرے خلاف رپورٹ کی جس کی کوئی وجہ اور بنیاد نہ تھی اور اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ صاحب جو نئے نئے آئے تھے اسکو میرے خلاف کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے مجھے بلایا میں نے معاملہ صاف کر دیا لیکن انہوں نے مجھے کہا کہ وہ پولیٹیکل ایجنٹ صاحب کو رپورٹ

کریں گے میں نے کہا بخوشی چنانچہ انہوں نے اغلباً اسسٹنٹ کے بیان کو میرے بیان پر فوقیت دی۔ یا تو وہ ذمہ داری نہیں لینا چاہتے تھے اس خیال سے کہ یہی اسسٹنٹ صاحب پولٹیکل ایجنٹ صاحب کو بھی شاید رپورٹ پہنچا دیں۔ پولٹیکل ایجنٹ صاحب نے جب مجھے بلایا میں نے اسسٹنٹ صاحب کے اوپر جو حالت کا نقشہ کھینچا ہے وہ ان کے گوش گذار کر دیا۔ اور یہ بھی بتایا کہ انہوں نے ایک شخص کو مجھ پر جھوٹا دعوے کرنے کے لئے کہا لیکن اس نے جواب دیا کہ میرے کندھے پر رکھ کر بندوق آپ چلاتے ہیں اگر عبداللہ جان کا مقابلہ آپ نہیں کر سکتے مجھے کیا ضرورت پڑی کہ جھوٹا دعوے کر کے میں جیل جاؤں اور ایسا معاملہ ایک دفعہ مجھ پر گذر چکا ہے۔ یہ قصہ بھی میں نے پولٹیکل ایجنٹ صاحب کے گوش گذار کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ پہلے کیوں آپ نے نہیں بتایا میں نے کہا کہ مجھے کیا ضرورت کہ کسی کے خلاف شکایت کروں اور اس کے ناجائز یومیہ الاؤنس اور سفر خرچ کا حال منکشف کروں یہ بھی میں نے آپ پر واضح کیا جبکہ مجھے مجبوراً کرنا پڑا اگر وہ مجھ پر ناجائز حملہ نہ کرتے تو مجھے کوئی ضرورت نہ تھی اور آپ کو معلوم ہی ہے کہ میں ایسے امور سے پرہیز کرتا ہوں۔ انہوں نے کہا آپ تسلی رکھیں میں اسسٹنٹ صاحب کو جو نئے نئے آئے ہیں حالات سے مطلع کر دوں گا اور ان کا شک رفع کر دوں گا۔

اتفاقاً یہی انگریز اسسٹنٹ پولٹیکل ایجنٹ صاحب کی تعیناتی

بطور پولیٹیکل ایجنٹ شمالی وزیرستان ہوئی تو مجھے میرے ایک مہربان افسر نے جوان دنوں گورنر صاحب کے شعبہ مقدمات کے افسر تھے مجھے بتایا اور کہا کہ اس صاحب سے آپ کی جھڑپ ہو چکی ہے اور اس کا خیال آپ کے متعلق اچھا نہیں بہتر ہوگا آپ رخصت لے لیں اور تبادلہ کے لئے کوشش کریں میں نے کہا جناب آپ کا شکریہ لیکن میں اس بات کا قائل نہیں کہ وہ مجھے نقصان پہنچا سکتا ہے۔ یہ اللہ تعالے کے ہاتھ میں ہے۔ دشمن اگر قوی است نگہبان قوی تر است جیسے اسے میرے ساتھ کام کرنا پڑا اور وہ اس ذمہ دار پوسٹ پر لگے تو ان کو اپنی غلطی معلوم ہو جائے گی۔

جس پولیٹیکل ایجنٹ صاحب کی جگہ انہوں نے آنا تھا وہ گورنر کے چیف سیکرٹری ہو کر جا رہے تھے۔ ان کے زمانے میں بڑی حد تک وزیرستان میں شورش رہی۔ اور فوجی مہم سے بھی کام لینا پڑا۔ وہ بغیر جنگی موٹروں کے اسکارٹ کے کہیں آجا نہیں سکتے تھے اور کرم کی سرحد پر جب جانا ہوتا تو ہوائی جہاز سے جانا پڑتا۔ مہم کے اختتام پر انہوں نے مجھے کہا کہ آپ بدلی چاہتے ہیں میں نے کہا ضرور لیکن کمشنری کے ہندو سٹاف کب ہمیں اچھی جگہوں پر جانے دیتے ہیں۔ اس نے کہا کہ اب تو وہ جا رہے ہیں وہ ایک ماہ بعد عرضی بھیجدیں، میں نے کہا کہ حسب قاعدہ تو چھ ماہ تک محال ہے خیر ان کے جانے بعد وہی صاحب آئے جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، ایک دو ماہ بعد میں نے سابق صاحب کے خیال

کا ذکر کیا اور یہ بھی کہا حسب قاعدہ تو مجھے نہیں جانا چاہیئے لیکن آپ اس
ایجنسی کے کافی واقف ہیں لہذا اگر آپ اجازت اور سفارش کریں تو
میں عرضی دیدوں اسی نے کہا میں بڑی خوشی سے سفارش کروں گا اور اگر
میرے اپنے اختیار میں ہوتا تو بہتر سے بہتر جگہ دیتا۔ آپ بہتر اور
آرام دہ جگہ کے مستحق ہیں۔ چنانچہ انہوں نے سفارش کر دی۔

ان ہی دنوں میں تحصیلدار صاحب جن کا ذکر پہلے کر آیا ہوں کہ مخالفت
کی آگ بڑھاتے رہے اور ان کا لوگوں میں خاص کر ٹھیکیداروں پر کافی اثر
تھا ان کی بدلی کا حکم آیا چنانچہ وہ چارج دیکر جانے لگے۔ جس دن وہ جانے
لگے وہ ایک بس میں تیسرے درجہ کے وزیر وغیرہ مسافروں میں بیٹھے میں
نے کہا کہ آپ تو بڑی عزت سے آتے جاتے اور ٹھیکیداروں کی موٹروں
کی ایک فلیٹ FLEET آپ کے ہمرکاب ہوتی اور آپ ایسے چھپ
کر جاتے ہیں کہ کوئی دیکھ اور پہچان نہ لے۔ تو انہوں نے کہا مولوی
صاحب آپ چاہتے ہیں کہ مجھے کوئی گولی کا نشانہ بنا دے۔ میں نے
کہا آپ کی ہر دلعزیزی اور اثر و رسوخ کدھر گیا۔ یہ اُن کی جانے کی حالت
تھی۔ خیر پھر EAC ہو کر کئی جگہ کام کیا لیکن سب جگہ روپیہ بٹورنا ان کا
کام تھا۔ آخر پنشن بھی نصیب نہ ہوئی اور فوت ہو گئے۔ وہ فوت ہو چکے
ہیں خدا ان کو بخشے۔

اب میری جو بدلی کا حکم آیا تو انہی پولیٹیکل ایجنٹ صاحب نے جس کے
متعلق مجھے ایک مہربان افسر نے مشورہ دیا تھا کہ اس سے بچنے کی نصیحت

لے لوں - انہوں نے بڑے پیمانہ پر میری عزّت افزائی اور دعوت کی
جس میں سکوت کے جملہ انگریز افسران اور دیسی افسران - سول کے افسران
دوسرے محکموں کے افسر وغیرہ مدعو تھے - اور اس عزت سے رخصت
کیا ذالک فضل اللہ - اور اسی افسر نے بعدہ میری تبدیلی کے
بعد برٹش ایمپائر میڈل کے لئے میری سفارش کی - یہ بھی غیر معمولی بات
ہے کہ کسی ماتحت کی تبدیلی کے بعد اس کے لئے کسی اعلٰے درجہ کے
میڈل یا خطاب کے لئے سفارش کی جائے - یہ سب خدا کے فضل
سے ہوا جس کا آج میں تحدیث نعمت کر رہا ہوں -

۴- ۱۹۳۹ء میں جبکہ میں ملاکنڈ میں تھا پولیٹیکل ایجنٹ صاحب نے
مجھے کہا کہ چیف سیکرٹری گورنر صوبہ سرحد نے ٹیلیفون کی ہے کہ دھلی میں
فارن آفس والوں نے آپ کو مانگا ہے اور کہا فوراً مانگا ہے، میں نے
کہا اس دن تیاری کے بعد جا سکتا ہوں فوراً نہیں جا سکتا چنانچہ انہوں نے
منظور کر لیا اور دوسرے دن ملاکنڈ دفتر کا چارج دوسرے شخص کو دیکر
دھلی گیا وہ جنگِ عظیم کے ایام تھے اور مجھے چھ ماہ کے لئے بلایا تھا
لیکن بعدہ تقریباً ایک سال رہنا پڑا، اس کے لئے بھی میں نے کوئی
عرضی نہیں کی تھی خود مجھے بلایا گیا - وہاں سے میری تعیناتی پارا چنار
(کرم) میں ہوئی -

۵- ۱۹۴۱ء میں ریٹائر ہو گیا - جب میں گھر پہنچا تو مجھے پولیٹیکل ایجنٹ
صاحب کا ایک نیم رسمی خط آیا کہ سرکار نے فوجی افسروں کو دفتروں

میں پھنسے ہیں جنگ کے لئے فارغ کرنے کو لائق عہدیداروں کی ضرورت ہے اور میں نے آپ کی سفارش کی ہے۔ چونکہ ان کو فوجی عہدہ دیا جاتا تھا اور فوجی قوانین کے ماتحت اور نظام میں رہنا تھا جس کے لئے ہماری عمر اور ساری عمر سول کی ملازمت اجازت نہ دیتی تھی میں چیف سیکرٹری صوبہ سرحد کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ میرا نام اس فہرست سے کاٹا جائے۔ ان سے میرا تعارف تھا اور ان کے ساتھ میں چند سال کام کر چکا تھا وہ ہنسے کہنے لگے لوگ مجھے آ کر ستاتے ہیں کہ فلاں جگہ چاہیئے فلاں جگہ اور آپ اتنی مدت کے بعد آئے اور آپ کا نام فہرست میں دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی اور آپ واپس اپنا نام لینا چاہتے ہیں میں نے کہا ڈیفنس والے سینسر میں مجھے لینا چاہتے ہیں اور بطور سول افسر وہ میرے لئے زیادہ موزوں ہے چنانچہ انہوں نے کہا کہ اگر کوئی روک محسوس کیا تو مجھے اطلاع دے دینا میں ہر طرح آپ کی مدد کروں گا۔ اس کے لئے بھی نہ میں کوشش کی تھی نہ درخواست بلکہ میرے متعلق کسی سینسر افسر نے کمانڈنٹ سے ذکر کیا کہ میں کئی زبانیں جانتا ہوں میں السنہ مشرقی کے شعبہ سینسر کے لئے موزوں ہوں گا۔ چنانچہ مجھے تو دفتر آئی اور بلاوا دیا اور میں نے منظور کیا۔

(۶)۔ چنانچہ اس طرح پنشن پر آنے کے دوسرے مہینے مجھے سنسر میں بطور سول افسر لے لیا گیا۔ اور ۱۸۴۴ء میں دوران جنگ جبکہ بعض سول سینسر افسروں نے ہندوستان میں اپنے شہر سے دور اور

ہندوستان سے باہر جانے سے انکار کیا تو حکم ہوا کہ سب افسر اور ماتحت فوج میں بھرتی ہوں اور جو بھرتی ہونا پسند نہ کریں انکو فارغ کر دیا جائے چنانچہ جنہوں نے انکار کیا سب برطرف کر دیئے گئے اور جو بھرتی ہوئے وہ بطور حوالدار جمعدار اور صوبیدار بھرتی ہو گئے اور افسر سب بطور ڈی اے ڈی سی (D.A.D.C) یعنی ڈپٹی اسسٹنٹ ڈائریکٹر سینسر بھرتی ہو گئے۔ لیکن مجھے دہلی سے خاص منظوری منگوا کر مستثنیٰ کیا گیا اور صرف میں مستثنیٰ تھا۔ یہ بھی خدا کا خاص فضل تھا اور یہ بھی منظور ہوا کہ پشاور سے کسی دوسرے سینسر سٹیشن میری تبدیلی نہ ہو گی۔ میرا عہدہ تھا سی اے ڈی سی (C.A.D.C) یعنی سول اسسٹنٹ ڈائرکٹر سنسر۔ اور ۱۹۴۵ء میں جب سب فارغ کر دیئے گئے تو صرف میں اور ایک اور برطانوی لیڈی افسر تین ماہ اور بھی رہ گئے تاکہ جو امسلہ تلف کرنے کے تھے وہ تلف کریں اور جو امسلہ اور سامان دہلی بھیجنے کے تھے وہاں بھیجدیں۔

(۷)۔ سنسر سے جب فارغ ہوا تو ایک ماہ بعد مجھے ریاست قلات سے آفر آگئی اور بطور افسر سیکرٹ ریاست مجھے بلایا گیا ان دنوں طوفان بے تمیزی کا زمانہ تھا۔ خان قلات (خان احمد یار خان جو آجکل معزول اور نظربند ہیں) کو خود مختار بادشاہ ہونے کا خیال دامنگیر ہو گیا تھا چنانچہ انہوں نے ریاست قلات کے سب وزراء افسروں اور ملازموں سے حلف لیا کہ وہ ان کے وفادار رہیں گے۔ قاضی ریاست جو حلف

لیتے پر مامور تھے اُن سے میں نے کہا کہ اس طرح حلف کا جواز کہاں سے ثابت ہوتا ہے، خلفائے راشدین اور بعدہ ملوک جو اپنے آپ کو خلفاء کہتے تھے وہ تو صرف سردارانِ قوم سے حلف لیتے تھے نہ کہ دفتری عملہ سے اس نے کہا یہ ٹھیک ہے لیکن خان صاحب کا حکم ہے ہم کیا کریں - اور میں نے اس کو کہا کہ جب تک قوم کے سب سرداران کو اپنا بادشاہ قبول نہ کریں اس حلف کا کیا فائدہ ہو سکتا ہے چنانچہ خان نے ایک خاص دربار منعقد کیا اور سب سرداروں کو بھی بلایا جن میں سے بعض آ گئے اور خان صاحب نے ایک تقریر کی کہ ہم کو جمع ہونا چاہیئے وغیرہ وغیرہ - اس دوران میں خان قلات نے وزیر اعظم محمد اسلم خان صاحب سے ذکر کیا جو وزیرستان وغیرہ قبائلی علاقہ میں پولیٹکل افسر رہ چکے تھے کہ وہ صوبہ سرحد جاویں اور صوبہ کے افغانوں سے ملیں کہ وہ خان کو اپنا سربراہ قبول کریں اور یہ بھی خان کا عزم اور ارادہ تھا کہ سارے بلوچ اس کے ریاست میں شامل ہوں اور GREATER BALUCHISTAN کے لئے ڈیرہ غازی خان کے بلوچ قوموں کو .....

بلوچستان میں شامل کرنے کا دعوے پاکستان والوں سے مطالبہ کریں چنانچہ اس وقت سے وزیر اعظم (نواب زادہ محمد اسلم خان ساکن ریاست امب صوبہ سرحد) مستعفی قرار دیئے گئے اور وزراء میں سے سردار محمد عالم خان صاحب وزیر مال نے انکار کر دیا اور کہا کہ وہ تو سلطنت پاکستان کے افسر ہیں اور اس قسم کے حلف نہیں اٹھا سکتے ہیں چنانچہ ان کو جانا پڑا

یہ ہوشیار خلیق کارکن افسر پنشن ہونے کے بعد بھی کئی ایجنسیوں میں پولیٹیکل ایجنٹ تھے۔ اور آج کل (۱۹۵۹) میں شمالی وزیرستان میں ہیں۔ اور خانصاحب کے وزیر داخلہ دیوبند کے اور صوبہ بلوچستان کے پنشن یافتہ افسر اور مسلم لیگ کے مخالف تھے ان کے علاوہ وزیر دربار دفتر چیف کمشنر صوبہ بلوچستان کے ایک جونیئر کلرک تھے جو صوبہ بلوچستان میں عارضی نائب یا تحصیلدار لگے تھے اور وزیر دربار کی پوسٹ خاص ان کے لئے وجود میں آئی اور اس وزیر دربار کو خانصاحب نے ایک دفعہ خاص پیغام دے کر خاص مشن پر دہلی میں پنڈت نہرو کے پاس بھی بھیجا تھا۔ لیکن نواب زادہ محمد اسلم خان کی دوراندیشی سے ریاست قلات کشمیر بننے سے بچ گیا اور بلوچستان کا ساحلی علاقہ علاقہ مقران کا نواب خودمختار نواب تسلیم کیا گیا اور مسٹر جناح نے خود نواب زادہ صاحب کی رپورٹ پر بڑی خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ ورنہ جیسے خیال تھا اگر نہرو بری یا بحری فوج کا ایک دستہ بھی بلوچستان کے کسی بندر پسنی۔ گوادر۔ یا جیونی پر اتارتا اور راجہ کشمیر کی طرح خان قلات بھی ہندوستان سے مل جاتا تو بڑی مشکلات کا سامنا ہوتا۔ نواب بائی خان۔ نواب مقران۔ خان قلات کے بہنوئی ہیں۔

آخر خانصاحب سے نہ رہا گیا اور ۱۹۵۸ء میں انہوں نے جو ارادہ انکے دل و دماغ پر مستولی تھے اور مدت سے جوش مار رہا

تختہ اُلٹ دیا۔ اور وہ ارادے جو اُن کی سیاسی مساعی سے پورے نہ ہوئے وہ ڈائریکٹ ایکشن کے لئے میدان میں نکل آتے اور ان کے عزائم جواب تک حجاب میں تھے بے حجاب ہو گئے اور آخر صدر پاکستان کو ان کے خلاف گرفتاری اور نظر بندی کا حکم جاری کرنا پڑا۔ خیر اب تو آں قدح بشکست و آں ساقی نہ ماند۔ لیکن اگر انکے بھائی عبدالکریم خان بے لگام رہے تو کچھ نہ کچھ فتنہ برپا رہے گا۔ اور وہاں بھی امن تب قائم ہوگا جبکہ پنجاب کے سیاسی لیڈروں اور بڑے بڑے زمینداروں کی طرح ان کے سرداروں پر بھی وہ حکم جاری کیا جاوے کہ جس کے پاس ۱۰۰۰۔ ایکڑ زمین سے زائد ہو وہ فروخت اور تقسیم کردی جائے۔ دولت کا سمٹ کر ایک شخص یا قبیلہ کے ہاتھ آنے کا نتیجہ اچھا نہیں ہوسکتا جیسے اس زمانہ نے ثابت کیا اور قرآن مجید میں بھی اس کو غیر مستحسن قرار دیا گیا ہے کی لایکون دُولۃً بین الاغنیاء (الحشر) یعنے مال اغنیاء ہی میں نہ پھرتا رہے۔ وہاں تو ہر قبیلہ کا ایک سردار ہے۔ چنانچہ مری۔ بگٹی۔ رئیسانی۔ شہوانی۔ لہڑی۔ مگسی۔ قیصرانی وغیرہ قبائل میں سے ہر قبیلہ کے سردار کی اپنے قبیلہ میں حکومت ہے۔ خان قلات بلوچ نہیں تھا بلکہ بروہی قوم کا ہے جو بہت بڑی قوم ہے اور بلوچستان میں چھایا ہوا ہے۔ مقران یعنی بلوچستان کا جنوبی ساحلی علاقہ جو بحر ہند کے ساحل پر ہے وہاں سب سے بڑی بلوچ قوم گچکی ہے اور نواب بائی خان جو خان قلات کا بہنوئی ہے گچکی قوم کا سردار اعلیٰ

ہے۔ اور مکران کے ساحل پر تین بندرگاہیں ہیں۔ مشرق کی طرف اور کراچی کے نزدیک بندر پسنی ہے اس سے آگے مغرب کی طرف گوادر پھر جیونی ہے۔ جو بین الاقوامی فضائی اڈّہ بھی ہے۔ پنجاب کے بڑے بڑے زمینداروں کے پاس ضرورت سے زیادہ زمین کا رہنا ان کو اس قدر اقتدار اور حکومت نہیں دیتا جس قدر کہ بلوچستان کے قبائل میں سرداروں کو دیتا ہے۔ اس لئے وہاں زرعی اصلاحات کا نفاذ زیادہ اہم اور اشد ضروری ہے۔

جبکہ پاکستان کے ہندوستان سے علیحدہ علاقہ کا بطور ایک مسلمان مملکت کے فیصلہ ہوا تو خان قلات کو کوئٹہ کی واپسی کا خیال آیا کہ اس طرح انگریزوں کے جانے پر سارے بلوچستان کا واحد سربراہ اور حکمران ہونے کا خواب خاں صاحب دیکھ رہا تھا۔ بلکہ اس نے مطالبہ بھی کیا تھا جو کسی طرح بھی قابل التفات و پذیرائی نہیں تھا۔ یہ اس سے مایوسی کے بعد کا واقعہ ہے کہ خاں صاحب نے نہرو سے سازباز کرنے کے لئے قدم اُٹھایا اور اپنے وزیر دربار کو اس مشن پر دھلی بھیجا تھا۔ لیکن خدا کے فضل اور رحمت سے اور محمد اسلم خان تنولی مرحوم کی دُور اندیشی اور حسن تدبیر سے اس میں خان کو ناکامیابی ہوئی اور مکران قلات سے علیحدہ ہوگیا۔ اور بلوچستان دوئم کشمیر بنتے بنتے رہ گیا۔ نہرو خان قلات کے پیغام کو جو انہوں نے اپنے وزیر دربار کے ذریعہ بھیجا تھا بھولا نہیں تھا اور خان قلات کی طرح اُس نے بھی آخر میں اپنے ارادہ

اور نیت اُگل دیا اور گوادر کے متعلق کہا کہ وہاں ہندوؤں کی آبادی کافی ہے اُن سے استصواب رائے کیا جاوے اس مطالبہ نے نہرو کے ارادوں کو طشت ازبام کر دیا۔ مرزا اسکندر نے اور نوہر کام میں پاکستان کو نقصان ہی پہنچایا لیکن اس کے سب گناہوں کا ازالہ اس کے اس فوری اقدام سے ہو گیا جو اس نے خان قلات کے خلاف اُٹھایا اور اس آگ کو بڑھنے سے پہلے ہی بجھا دیا۔



احمدیت کی خدمت

خدا تعالیٰ نے مجھے اسلام اور احمدیت کی خدمت کے بھی چند مواقع دیئے جو اس کے فضل اور رحمت کا تقاضا تھا نہ کہ میری کوئی لیاقت۔ مَیں عام خدمت کا ذکر نہیں کرتا بلکہ خاص موقعوں پر خاص خدمت :۔

(۱) ۱۹۱۹ء میں جبکہ خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم مبلّغ و مؤسس تبلیغ ووکنگ بیمار ہوئے تو ان کی جگہ حضرت مولوی صدرالدین صاحب کا جانا ہوا اور میں نے بھی اس خدمت کے لئے رخصت بلا تنخواہ لے لی تھی چنانچہ میں اور برادرم مولوی دوست محمدؐ صاحب ایڈیٹر اخبار پیغام صلح بھی ان کے ساتھ گئے۔ وہاں حساب کتاب اور مراسلت کے کام کا ایک حِصّہ میرے ذمہ تھا۔ یہ تو تھا معمول کا کام۔ لیکن وہاں ایک خاص کام بھی مجھے کرنا پڑا اور وہ تھا حضرت مولوی محمد علی صاحب مرحوم کے انگریزی ترجمۃ القرآن کے دوسرے ایڈیشن کی چھپائی وغیرہ جس کے لئے مجھے روزانہ اور متواتر سائیکل پر چھاپہ خانہ جانا پڑتا تھا۔ وہاں عربی حروف کی درستی اپنے سامنے کرانی پڑتی تھی۔ یہ کافی صبر آزما کام تھا۔ مسجد سے چند میل پر صبح چھاپہ خانہ جانا۔ دوپہر کو آنا اور پھر جانا کبھی ناغہ ہو جاتا ورنہ یہی کام مسلسل رہا جب تک چھپائی درستی مکمّل ہو گئی، اور دوسرا ایڈیشن

نکل آیا۔
(۲) حضرت مولوی محمد علی صاحب جب ۱۹۵۱ء میں فوت ہوئے اور حضرت مولوی صدر الدین صاحب امیر قوم منتخب ہوئے حضرت امیر مرحوم کے بعض اقربا کو یہ غلط خیال دامنگیر تھا کہ حضرت مولوی صدر الدین صاحب نے حضرت امیر مرحوم کے ترجمۃ القرآن کو اپنی اہلیہ کے نام تملیک کرنے کی مخالفت کی وہ حق تصنیف کے معاملہ کو اُٹھا کر مخالفت کریں گے اس لئے انہوں نے الحاج میاں محمد صاحب بلز اونر (یعنی منسوجات کے کارخانوں کے مالک) کی امداد سے یہ مطالبہ شروع کیا کہ صدارت کو امارت سے علیحدہ کیا جاوے۔ اور انہوں نے میاں محمد صاحب کو صدارت کے لئے پیش کیا۔ قوم نے اس وقت افتراق کے مٹانے کے لئے صدارت کو علیحدہ کر کے میاں محمد صاحب کو صدر مقرر کیا۔ اور تاریخ احمدیت میں وہ دن بلیک ڈے (یوم الاسود) ثابت ہوا کیونکہ ایک طرف تو اتفاق مطلوب تھا لیکن دوسری طرف اختیارات غرض تھی۔ حضرت امیر مرحوم کو (بموجب قرار داد ۱۰۳) مجلس معتمدین مؤرخہ ۲۴|۲|۲۵ حضرت امیر مرحوم کو بحیثیت صدر مجلس منتظمہ اعلیٰ ملازمین کے تقرر۔ ترقی۔ تنزل۔ موقوفی۔ جرمانہ کے اختیارات حاصل تھے لیکن چونکہ ایک شخص کو اختیارات سونپنا الوصیت کے بھی خلاف ہے اور ایک شخص سے جذبات کے ماتحت غلطیاں بھی ہو جاتی ہیں اس لئے (۱۸) سال کے تجربہ کے بعد مجلس معتمدین نے (بذریعہ

قرارداد ۲۳ مورخہ ۸ ۱/۲۴ یہ سارے اختیارات مجلس منتظمہ کو منتقل کر دیئے یعنی مجلس بحیثیّت مجلس یہ فیصلہ کرے گی۔ اگرچہ بروئے قرارداد ۱۲/۲۴ ۲۵ حضرت امیر مرحوم کے خلاف مجلس منتظمہ کو اور بعدہٗ انجمن معتمدین کو اپیل ہو سکتی تھی

لیکن

بروئے قرارداد نمبر (۱۳۱) مورخہ ۱/۵۱ ۲۸ یہ سب اختیارات الحاج جناب میاں محمدؐ صاحب کو دیئے گئے کہ وہ اپنی اقتضاء اور ارادے سے جو فیصلہ کریں اس کی اپیل نہیں ہوگی۔ اور ان اختیارات کا طرّہ امتیاز میاں صاحب کا وہ فعل تھا کہ انہوں نے حکم کیا کہ حضرت امیر مولوی صدرالدین صاحب کے خطبات اخبار پیغامِ صلح میں شائع نہ ہوں جب تک میاں صاحب اُن پر نظر ثانی کریں۔ یہیں تک اختیارات کا دائرہ نہیں تھا بلکہ اس کی وسعت اس قدر تھی کہ میں ایک دفعہ جمعہ کے خطبہ میں پشاور کی احمدیہ مسجد میں کہا تھا کہ ہماری ساری توجّہ اور روپیہ حضرت امیر کی تصنیفات پر لگتا ہے جس کے لئے ہم کو حق تصنیف بھی دینا پڑتا ہے لیکن ہم نے حضرت مسیح موعود کی کتابوں کو دفن کر دیا ہے جن کی اگر اشاعت کی جاوے تو نہ حقِ تصنیف دینا پڑتا ہے اور نہ حقِ تصنیف کے لئے اپنے خرچ سے بہت زیادہ کتابوں کی قیمت مقرر کرنی پڑتی ہے۔ اور حضرت صاحب کی کتابوں میں صرف معارف کے موتیوں کے انبار ہیں بلکہ مخالفوں کو چیلنج دے کر مقابلہ کے لئے بلایا

ہے۔ بلکہ الہاماً حکم ہے کہ ان کو طبع اور شائع کیا جاوے۔ حضرت صاحب فرماتے ہیں جو میری کتابوں کو تین بار نہیں پڑھتا وہ متکبر ہے اور جن کا فرض ان کتب کی طبع اور اشاعت ہے بالخصوص عربی کتب کے لئے ایک خاص الہام ہے کہ یہ عربوں کو پہنچایا جاوے۔ چنانچہ اس پر مجھے ایک خط ان کا آیا کہ ایسی باتیں اپنے خطبہ میں کہتے ہیں جو قابل اعتراض ہے۔ میں نے جواب میں لکھا کہ آپ کو ہمارے خطبات پر اعتراض کا حق کس نے دیا ہے۔ آپ کا کام دفتر کے حساب کتاب کا سنبھالنا ہے نہ کہ ہم پر حکومت آخر ۱۹۵۳ء میں میاں صاحب کو صدارت سے معزول کیا گیا۔ اور آپ نے ۲۳ مال روڈ لاہور میں ایک علیحدہ ادارہ کی بنا ڈالی اور نمازیں بھی علیحدہ پڑھنے لگے۔ ۲۳ مال روڈ کی جگہ اصل میں آپ کے مصنوعی گھی (مارجرین) شالہ مار کہ بناسپتی گھی کا مرکز یہ دفتر ہے (۱۹۵۴ء) بھی جماعت احمدیہ لاہور کے لئے بڑا متلاطم زمانہ تھا۔ ایک طرف ۲۳ مال روڈ والوں کی سازشیں دوسری طرف خود دفاتر احمدیہ انجمن لاہور کے بعض کارکنوں اور مبلغین کا بلب منفعت کے لئے میاں صاحب کے ہاتھوں میں کھیلنا۔ کیا کبھی کوئی صحیح الدماغ یہ خیال کر سکتا ہے کہ مبلغین جماعت کے دوسر فہرست مبلغ صاحب علم اور فضل لاہور سے چل کر اوکاڑہ میں انجمن کے گداموں کو توڑیں غلہ نکالیں۔ منڈی میں فروخت کے لئے پہنچائیں۔ اور زور سے ہاں قبضہ کریں تاکہ انجمن اپنے مستقل لاکھ ڈیڑھ لاکھ کی آمد سے محروم ہو کر مفلوج

ہو جاوے۔ لیکن یہ ہوا اور واقع ہے۔ اس میں شک اور شبہ کی گنجائش نہیں۔ آپ ایسے مبلغین کے لئے کیا رائے قائم کریں گے۔ نیبران کو اور ان کے استخدام کرنے والے بزرگ سب ناکامیاب ہوئے اور ڈپٹی کمشنر صاحب نے سب کچھ انجمن کے حوالہ کیا اگرچہ ان کے پاس ایک وزیر سلطنت دہاڑہ ماروں کی حمایت کے لئے پہنچے تھے۔ پھر انہوں نے ادھر ناکامیابی کے بعد دفاتر انجمن پر قبضہ کرنے کے لئے حملہ کیا اور اپنے استخدام کرنے والے بزرگ کو بذریعہ ٹیلیفون اطلاع دی کہ مبارکباد ہو قبضہ ہوگیا۔ اس حملہ کے سرگروہ وہی مبلغین کے سرفہرست مبلغ تھے۔

ان تعجب فعجب افعالھم۔ الا یظن اولئک انھم مبعوثون لیوم عظیم۔ یوم یقوم الناس لرب العالمین۔

یہ حملہ بھی ناکامیاب ہوا اگرچہ ایک بڑے احمدی افسر اندرونی طور پر اپنے رسوخ اور اثر سے کام لیتے رہے تھے۔ اور عبدالعزیز خان زبیدہ کو جو ان دنوں جنرل سیکرٹری تھے ایک مقدمہ میں پھنسانے کی ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ یہ علم ایک احمدی پولس افسر نے دیا۔

ان دنوں میں نے رؤیا میں دیکھا کہ میرا لڑکا بشارت احمد جو ریلوے میں گارڈ تھا اور آج کل ریلوے ٹریننگ مرکز والٹن میں معلم ہے، مجھے ایک سٹیشن پہ جہاں ریل کھڑی ہے کہتا ہے کہ ابّا اس ٹرین کے ساتھ آپ نے جانا ہے۔ میں نے کہا کہ نہ میں آپ کے صیغہ کا ملازم نہ

نہ واقف ہیں یہ بوجھ کیسے اٹھا سکتا ہوں اس نے کہا کہ آپ کے لئے
ایک سبز اور ایک سرخ جھنڈی لا رہا ہوں جہاں چاہیں اور ضرورت
ہو سرخ سے ٹرین ٹھہرالیں اور سبز دکھا کر چالو کر دیں۔ میں تعجب اور
حیرت میں تھا کہ استے میں میرا بھتیجا جس کا نام رضاء اللہ ہے کہتا
ہے کہ ٹرین کے جانے میں دس منٹ رہ گئے ہیں اور آپ یہاں
کھڑے ہیں میں ابھی جھنڈیاں لا دیتا ہوں۔ نثار احمد اور رضاء اللہ کے
ناموں سے یہ تعبیر کی کہ کوئی خدمت احمدیت اور رضا الٰہی کے لئے
کرنی ہے چنانچہ دس دن بعد اچانک مجھے لاہور سے بلاوا آ گیا کہ آپ عبدالعزیز
خان کی جگہ جنرل سیکرٹری لگ گئے۔ میں تقریباً ۹ ماہ اس عہدہ پر رہا۔
میرا سارا وقت احمدیت کی کھڑی ٹرین کو منزل مقصود کو پہنچانے میں
گذرا۔ آپ تعجب کریں گے لیکن یہ حقیقت ہے کہ انتخاب کا معاملہ
تین شخصی کمیٹی کے سپرد کیا گیا تھا ایک نمائندہ انجمن کا ایک اس وقت
کی مخالف پارٹی کا اور ایک سرپنچ کا جس کا فیصلہ دونوں نمائندوں کے
اختلاف پر ہوگا۔ انجمن کا نمائندہ کراچی کے ایک معزز تاجر تھے اور
مخالف پارٹی کے نمائندہ سندھ گورنمنٹ کے چوٹی کے افسر جن کی امداد
اور سرپرستی کے ہمارے معزز تاجر ہر وقت محتاج تھے۔ ہمارے نمائندہ
فہرستیں لے کر سرپنچ صاحب کے پاس گئے کہ چند اشخاص میں سے وہ
اور دوسرے نمائندہ صاحبان ان محدود چندہ دہندگان کی فہرست میں
سے جس کو چاہیں گے منتخب کریں گے اور قوم کو انتخاب کا کوئی

حق نہ ہوگا۔ انہوں نے فرمایا کہ قوم کو آپ حق انتخاب سے محروم نہیں کر سکتے البتہ یہ کر سکتے ہیں کہ تحدید کر دیں کہ قوم ان محدود فہرست سے جو باقاعدہ چندہ دینے والے ہیں اور اس وجہ سے منتخب ہونے کی اہلیت اور لیاقت رکھتے ہیں انتخاب کریں۔ ان کے علاوہ دوسرے مستحق نہیں ٹھہرائے جا سکتے ہیں۔ لیکن انجمن کے نمایندہ نے کیا کیا سرپنچ کی رائے کو ٹھکرا کر وہ کیا جو مخالف پارٹی کے نمایندہ اور گورنمنٹ کے افسر اعلیٰ کی رائے تھی۔ گویا انجمن کے نمایندہ صاحب نے سرپنچ صاحب کو معزول کر کے جس افسر اعلیٰ کی خوشنودی کے لئے ان کو سرپنچ کی حیثیت دی اور معتمدین کے تقرر کے لئے اعلان کیا کہ فلاں تاریخ ہوگی۔ یہاں مجھے بطور ریلوے گارڈ سرخ جھنڈی دینی پڑی اور مجھے عدالت کا دروازہ کھٹکانا پڑا، چنانچہ بذریعہ ٹیلیگرافی آرڈر کے سندھ گورنمنٹ کے اعلیٰ افسر صاحب کو نوٹس دیا گیا کہ وہ ایسا نہیں کر سکتے تو ہمارے نمایندہ کراچی سے دوڑے لاہور پہنچے لیکن انجمن کے زعما نے اُن کی رائے سے اتفاق نہیں کیا اور اس فارمولا پر انتخاب کیا کہ دونوں پارٹیوں کے سرکردہ اصحاب بیٹھکر پرانے معتمدین میں سے اُن کا انتخاب کریں جن پر دونوں پارٹیوں کا اتفاق ہو جائے اور بطور سنگ بنیاد مخالف پارٹی کا یہ مطالبہ تھا کہ عبداللہ جان نہ سیکرٹری ہوگا اور نہ معتمد۔ معتمدین سے نکالنا تو اُن کے اختیار کی بات نہ تھی مجھے میری پشاور کی جماعت نے انتخاب کیا تھا اور اگر یہی چاہتا تو یہ فیصلہ ٹوٹتا

لیکن رضائے الٰہی کے طور میں نے اسکو بخوشی منظور کیا اور جیسے ایک ریلوے گارڈ آخری منزل پر گاڑی پہنچا کر اس کے فرائض کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور سٹیشن سٹاف کا کام شروع ہو جاتا ہے اور گارڈ صاحب الگ ہو کر گارڈ ریسٹ ہاؤس چلے جاتے ہیں۔ اسی طرح بڑے رویاء میری ڈیوٹی ختم ہو گئی تھی اور جماعت کی ٹرین مصالحت کی منزل کو پہنچ گئی۔ میری خدمت جو آسمان کی طرف سے مقدر تھی ختم ہو گئی۔ فالحمد للّٰہ علٰے ذالک۔

مَیں نے رویاء میں دیکھا کہ میں پشاور میں اس کمرہ نماز میں بیٹھا ہوں جو مکان اب ۱۹۵۹ء میں مسجد میں تبدیل ہو گیا۔ اور اسی رویاء کی بناء پر میں نے وہ خطبہ بھی دیا تھا جس کا اوپر ذکر آ گیا ہے اور جس پر الحاج میاں محمد صاحب نے جو ان دنوں صدر تھے اعتراض بھی کیا تھا۔ رویاء میں دیکھا کہ حضرت مسیح موعود اس جگہ سے ساتھ سے گذر رہے ہیں اور ان کے ساتھ تین یا چار اور اشخاص ہیں۔ میں نے کہا خوب ہوا حضرت صاحب پھر سے زندہ ہو گئے اور میں دوڑ کر ساتھ ہو لیا اور دل میں کہتا ہوں کہ جب قصہ خوانی کے بازار پہنچیں گے تو لوگوں کی حیرت کی انتہا ہو گی کہ حضرت صاحب پھر سے زندہ ہو گئے۔ اس کی میں نے یہ تعبیر کی تھی کہ حضرت صاحب کی کتب کی اشاعت ہونی چاہیئے جو کہ ہم نے پس پشت ڈال دیا ہے۔

پھر ۱۹۵۹ء میں جب لاہور آیا تو پھر رویاء دیکھی کہ حضرت صاحب

شربت کا پیالہ منہ سے لگائے پی رہے ہیں اور کچھ باقی چھوڑا جو میں نے پیا۔ اس پر میں نے حضرت صاحب کی کتب کی اشاعت پر پُر زور دو مضمون پیغام صلح میں دیئے۔ سچ ہے خدا کے ملائک ہی تحریک کرتے ہیں۔ اس تحریک پر مجھے حیرت ہوئی کہ ایک مرد صالح شیخ مولا بخش صاحب تاجر لائل پور نے مفت اشاعت کتب حضرت صاحب کے لئے دس ہزار دینا کیا اور پھر انجمن کو بھیج بھی دیا کہ مفت اشاعت کتب حضرت صاحب کے لئے بمد امانت رکھا جائے اور صرف اسی غرض کے لئے استعمال ہووے والسابقون السابقون اولئک المقربون ہماری جماعت کے چوٹی کے دولتمندوں میں سے ایک نے مجھے اس تحریک پر مبارکباد دی اور خط لکھا جس کے جواب میں میں نے لکھا کہ ایسا مبارک کام ہے تو آپ بھی مالی امداد کریں جس نے دس ہزار دیا اگر اس کو لکھ پتی فرض کر لیں تو اس کے مقابلہ میں آپ کروڑ پتی ہیں۔ لیکن ان کی جیب سے ایک روپیہ بھی نہ نکلا، اور اسی طرح ان کے مقابلہ کے ایک اور چوٹی کے دولتمند کو خط لکھکر توجہ دلائی لیکن صدا ئے برنخاست سچ ہے ع

ایں سعادت بزور بازو نیست

مجلسِ عمل جس نے انجمن معتمدین کو بھی معطل کر دیا تھا۔ سارے سال ۱۹۵۸-۵۹ء یعنی نومبر ۱۹۵۸ء سے جنوری ۱۹۶۰ء تک حضرت صاحب کی چند ورقوں کا ایک عربی رسالہ تحفۂ بغداد چھپوایا اور

وہ بھی غلطیوں سے پُر۔ حالانکہ اس کام کے لئے علیحدہ روپیہ جمع ہے
تحفہ بغداد تیس تینتیس صفحوں کا رسالہ ہے۔ یہ ہے سال بھر کی
کارگذاری۔ حضرت صاحب نے رسالہ کا نام تحفۃ بغداد
رکھا تھا اور اس کا سرورق پر تحفتہ البغداد رکھا حالانکہ اسم معرفہ پر ال
نہیں آتا۔ چار ٹریکٹ اور ایک کتاب خصوص القرآن چھپ کر
شائع ہوئے۔ امید ہے اب انجمن منتظمہ سابقہ کمیوں کو پورا
کریں گے خدا تعالےٰ سب کو مل کر اتفاق اور محبت سے کام
کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین
۱۹۵۹ء کے آغاز میں مجھے انجمن نے بلایا کہ بطور جنرل سیکرٹری
کام کروں جبکہ عبدالعزیز کے برلن جانے کا معاملہ طے پایا تھا، لیکن
چونکہ بوجہ لمبی بیماری گذارنے کے بہت کمزور ہو گیا تھا میں نے انکار
کیا۔ اس کے چند ماہ بعد دوسری پیشکش یہ ہوئی کہ میں حضرت امیر
کے پرسنل اسسٹنٹ کے طور پر کام کروں۔ لیکن میں نے لکھا کہ میں ابھی
کسی بوجھ کے اٹھانے کے لائق نہیں اور جون میں میں پشاور سے سرگودھا
تبدیل آب و ہوا کے لئے گیا اور جولائی میں وہاں سے لاہور آیا جہاں
میں اپنے بیٹے کے پاس ٹھہرا جو پولیس میں ملازم تھا۔ احمدیہ بلڈنگس
میں جب ملنے کے لئے آیا تو انہوں نے کام کے لئے کہا میں نے
جواب دیا کہ میں بیمار ہوں کمزور ہوں، جب تک میرے عزیز میرے
ساتھ نہ ہوں احمدیہ بلڈنگ میں نہیں رہ سکتا لیکن احمدیہ بلڈنگس میں

مکان نہ تھا اور معاملہ رہ گیا لیکن اتفاق سے عبدالعزیز خان کا جانا ہوا
اور جو مکان اُن کے پاس تھا وہ خالی ہوگیا تو میں مع اپنے لڑکے اور
اس کے عیال کے احمدیہ بلڈنگس آگیا اور کام شروع کیا۔ لیکن مجلس عمل
کے وجود میں آتے ہی اس کے بعض ممبر میری موجودگی کو بطور حضرت
امیر کے پرسنل اسسٹنٹ برداشت نہیں کر سکتے تھے، اور ہر ماہ میرے
نکالنے کے لئے کسی نہ کسی عذر سے مجلس میں ریزولیوشن پیش کر دیتے۔
آخر میں نے مناسب خیال کیا کہ استعفاء دے دوں تاکہ معترضین
کے دلوں کو تسکین حاصل ہو اور مطمئن ہو جاویں اور میری وجہ سے خلش
ان کے دلوں سے دُور ہو جاوے۔ آخر میں استعفاء دے کر گلبرگ
اپنے بھائی عبداللطیف خان اسسٹنٹ کمشنر انکم ٹیکس کے ہاں چلا گیا کیونکہ
میرا لڑکا ٹریننگ کے لئے سرگودھا پولیس سکول اور واجدہ سہالہ پولیس
ٹریننگ کالج چلا گیا اور اس کے عیال اور بچوں نے پشاور جانا تھا۔
مجلس عمل کے کرتا دھرتا والوں کو سابقہ تجربہ تھا کہ انجمن معتمدین نے
ان کو ۱۹۵۳ء میں معزول کر دیا اس دفعہ انہوں نے ایک تجویز یہ کی
معتمدین کے سارے اختیارات دو تین اشخاص کو دیئے جاویں حقیقت
میں وہ نظام کو بدل کر قادیان والوں کی طرح مجلس معتمدین کو مشاورتی کمیٹی
کی حیثیت دے کر اپنے ماتحت کرنا چاہتے تھے۔ تین برسر اقتدار
نہیں رہ سکتے تھے لیکن اپنے نظریہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے
شروع اس طرح کیا کہ تین میں سے ایک کو فوراً خود افسر نظم و نسق مقرر کر دیا اور

انہوں نے ڈکٹیٹر کی حیثیت اختیار کر لی۔ منصوبہ یہ تھا کہ اس کو آخر میں نکال کر خود ایک صاحب ڈکٹیٹر بنیں اور معتمدین کی شکل بدلنے کے لئے تیاریاں شروع کر دیں تاکہ اس دفعہ معتمدین کو ختم کیا جائے اور اس کے لئے ایک منصوبہ بنایا۔ اس خطرناک منصوبہ سے میں نے اور جماعت پشاور نے ساری قوم کو بذریعہ اشتہار مطلع کیا۔ اور جمعہ مورخہ ۲۵ ⁹⁄₅₉ کو میں نے جماعت پشاور کو پھر سے بیدار کیا کہ دیکھو مجلس عمل کا یہ منصوبہ ہے کہ جس مجلس معتمدین نے مجلس عمل کے سال بھر کے کام کا جائزہ لینا ہے اسکو کالعدم کر دیں اور اپنے ڈھب کے اشخاص لاکر پھر ان سے وہ اختیارات حاصل کریں جس کی نہ کوئی اپیل ہو سکے اور جو چاہیں کریں۔ ایک صاحب نے اعتراض کیا کہ میرے اس خیال کے لئے کیا ثبوت اور سند ہے لیکن چونکہ وہ اس امر سے متفق ہو گئے کہ اگر ایسا ہے تو کوئی انتخاب نہ کیا جائے۔ ورنہ میں نے ان کو جواب یہ دیا تھا کہ بعض امور ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے انسداد کے لئے قبل از وقت قدم اٹھایا جائے چنانچہ رسول اکرمؐ کی زندگی کی ایک مثال ہمارے سامنے ہے کہ ان کو رپورٹ پہنچی کہ سلطنت روم کا عیسائی لشکر سرحد پر جمع ہو رہا ہے تو حضور فوراً لشکر لے کر روانہ ہو گئے۔ گرمی کا موسم تھا فصلیں تیار تھیں ۳۰۰ میل کا لمبا سفر تھا۔ اور ایسا غزوہ تھا جو اس سے رہ گئے ان سے مقاطعہ کا حکم ہوا۔ لیکن جب رسول اکرمؐ سرحد پر پہنچے تو وہاں کوئی فوج نہ تھی۔ بڑی چھوڑ تھوڑی تعداد میں بھی نہ تھی۔ خدا تعالے نے حضور

کو بذریعہ وحی اطلاع دے سکتا تھا کہ وہاں کوئی نہیں اتنا لمبا سفر
لیے صبر آزما اور نا موافق احوال میں نہ کیا جاوے لیکن ایسا کیوں نہ
کیا تاکہ ہمارے لئے نمونہ اور مثالی کیس ہو کہ پیش بندی بعض امور
میں ضروری ہوتی ہے۔ چنانچہ دوسرے جمعہ کو خبر آگئی کہ انتخاب کرو۔
پھر وہی سوال پیش ہوا۔ ہماری جماعت پشاور کے سیکرٹری صاحب نے
کہا کہ ہرج کیا ہے انتخاب کرلو میں نے بتایا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے
جبکہ ہم اس کو غیر آئینی مانتے ہیں اور آئین میں سے دو تین حوالہ جات
سب احباب کو سنائے اور دریافت کیا کہ ایسا انتخاب جو آئین کے
خلاف ہو اس کی تعمیل کرنی چاہیئے سب نے باتفاق ہی فیصلہ کیا کہ
انتخاب نہ کیا جاوے اور مرکز کو اطلاع دی جاوے کہ چونکہ یہ آئین کے
خلاف ہے اور ان کے اختیارات سے باہر ہے اس لئے اس
کی تعمیل نہیں ہوسکتی ہے چنانچہ مرکز کو اطلاع دے دی گئی۔ ساتھ
ہی میں نے تحریک کی تھی کہ ہم کو آسمانی مدد کے لیے بھی دعا کرنی
چاہیئے کہ مجلس عمل والے سارے کام غیر آئینی کرتے ہیں اور ہم لوگ
عدالت میں جانا نہیں چاہتے کہ ہماری تحریک بین الاقوامی تحریک کی
حیثیت اختیار کرگئی ہے اور عدالت میں جانا ہمارے سلسلہ کو بدنام
کر دے گا۔ چنانچہ ہم نے باقاعدہ اجتماعی طور نمازوں کے بعد دعا
کرنی شروع کی۔ میں نے رؤیا میں دیکھا کہ میں ایک سفید گھوڑے پر
سوار ہوں اور چند اور اشخاص بھی ہیں جو گھوڑوں پر چڑھنا چاہتے

ہیں چڑھ نہیں سکتے ۔ چنانچہ احمدیہ کانفرنس میں جو نماز جمعہ ۲۲ کے دن بیٹھی اور تمام جماعت کے لوگ حاضر تھے مختلف تجاویز پیش ہوئیں ۔ میں نے بیان کیا کہ حضرت امیر مرحوم کے وقت میں بھی اختلافات تو تھے لیکن یہ اشتہار بازی اور فساد نہیں تھا اس لئے کہ امیر اور صدر دونوں عہدے اُن کے پاس تھے اور ۱۹۵۱ء سے جبکہ الحاج میاں محمد صاحب کو وہ اختیارات دیئے گئے کہ ان کے فیصلہ پر اپیل بھی نہیں ہو سکتی تھی صدارت نے امارت کی رقابت کی پوزیشن لے لی اور جو قدم اس وقت فساد کے مٹانے کے لئے اُٹھایا گیا تھا وہ خود اب مستقل فساد کا باعث بن گیا ہے ۔ اس لئے صدارت کو امارت میں دوبارہ مدغم کیا جاوے البتہ امیر قوم ہی مجلس منتظمہ کا صدر ہو لیکن صدارت کے وہ اختیارات جو غلطی سے ۱۹۵۱ء سے ۱۹۶۰ء تک مختلف صدر صاحبان کو دیئے گئے وہ اختیارات صرف مجلس منتظمہ بحیثیت مجلس استعمال کریں اور کوئی علیحدہ افسر نظم ونسق وغیرہ وغیرہ نہ ہو۔ چنانچہ اکثریت سے اس تجویز کو منظور کیا گیا اور دوسرے دن مجلس معتمدین نے دوسری تجویزوں کو نامنظور کر کے اسی میری پیش کردہ تجویز کو منظور کیا ۔ چنانچہ میری رویا کہ میں سفید گھوڑے پر سوار ہوں اس طرح پورا ہوا کہ صلاحیت کے لئے میری تجویز کو قبولیت حاصل ہوئی نہ صرف کانفرنس کی اکثریت نے بلکہ مجلس معتمدین نے بھی اس کو منظور کیا ۔ اور اس طرح فساد کی جڑ کٹ

گئی۔ فالحمدللہ۔

حضرت والد بزرگوار علیہ الرحمۃ اور حضرت میرزا احمد اسمٰعیل صاحب علیہ الرحمۃ کے حالات کا شائع کرنا اصل غرض تھا اور اس کے ساتھ اپنے واقعات کا ذکر بطور تحدیث نعمت میرے بس کا کام نہ تھا لیکن خدا تعالےٰ کو جو منظور رہتا ہے اس کے لئے اسباب بھی بامرہ جمع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل اقربا کا میں ممنون و مشکور ہوں کہ انہوں نے مالی امداد کر کے سوانح کی اشاعت میں بڑی مدد کو رفع کرنے کا سبب بنے۔ برادرم عبداللطیف صاحب اسسٹنٹ انکم ٹیکس کمشنر و انکم ٹیکس مشیر مرکزیہ ادارہ صنعتی پاکستان، عزیزان عبدالرؤف خاں ای اے سی و عبدالحمید خاں ای اے سی و فرزندم میجر عبدالرب صاحب ونگ کمانڈر ایسٹ پاکستان رائفل سلہٹ مشرقی پاکستان میں خدا کے فضل کا مشکور ہوں اور ان عزیزان کا جن کو خدا تعالےٰ نے اس سعادت میں حصہ لینے کی توفیق عطا فرمائی۔ میں زبانی شکریہ کے علاوہ ان کا کوئی اجر نہیں دے سکتا کیونکہ اجرھم علی اللہ الرحمان الرحیم۔ وہ شکور ہے فرماتا ہے وکان سعیھم مشکورا میری دعا ہے وہ اپنی رحمت سے دنیا اور آخرت میں ان کو اجر عظیم عطا فرمادے۔

عبداللہ عفی عنہ

بہ فضل خدا مندرجہ ذیل عزیزان کی مالی امداد سے یہ کام سر انجام پایا۔

جزاھم اللہ فی الدارین خیراً

(۱) برادرم عبدالطیف خان اسسٹنٹ انکم ٹیکس کمشنر۔
(۲) عزیزم عبدالرؤف خان ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر۔
(۳) عزیزم عبدالحمید خان ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر۔
(۴) فرزندم میجر عبدالقدوس خان پاکستان ارڈننس سروس۔
(۵) فرزندم میجر عبدالرب خان ونگ کمانڈر پاکستان رائفلز سلہٹ۔

تفسیر "حسن بیان"

موءلفہ

حضرت حافظ مولانا غلام حسن صاحب نیازی

ساکن پشاور

ھدیہ **6/-/-**

ملنے کا پتہ :۔ دارالکتب اسلامیہ

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام

احمدیہ بلڈنگس۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاھور۔۷